آنکھ مچولی

کراچی

جنوری ۱۹۹۶ء

نزلہ، زکام، کھانسی، گلے کی سوزش اور خراش سے فوری آرام کیلئے
کوئس
انسٹنٹ
جوشاندہ
12 ساشے
کے ساتھ ایک خوبصورت گلاس کا تحفہ
بالکل مفت
QUICE
INSTANT
JOSHANDA
Quice Food Industries Limited
کوئس فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ
ہیڈ آفس : 11/139 جمال الدین افغانی روڈ ۔ نزد بہادر آباد، شرف آباد ۔ کراچی
فون : 4924814 فیکس : 4947941
راولپنڈی برانچ آفس :
چاند پلازہ ۔ گلی نمبر 6 ۔ پشاور روڈ ۔ راولپنڈی فون : 34...7
ملتان برانچ آفس :
521 ۔ معصوم شاہ روڈ ۔ سمن آباد کالونی ملتان
فون : 551895
...ہور برانچ آفس :
32 ۔ جیل روڈ ۔ لاہور فون : 7575011
...شاور برانچ آفس :
1-2 ۔ گل پلازہ ۔ چارسدہ روڈ ۔ پشاور فون : 241945

لمحۂ فکریہ

سورۃ فاتحہ

کا مسلمانوں سے سوال

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے	نام اللہ کا اور کام شیطان کے
تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے	تعریف اللہ کی، تقلید غیر اللہ کی
رحمان اور رحیم ہے	رحمان و رحیم وہ، انعام واکرام کی اُمید کسی اور سے
روزِ جزا کا مالک ہے	روزِ جزا کا مالک وہ، خوفِ سزا کسی اور سے
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور	عبادت اس کی، اطاعت غیروں کی
تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں	مالک و مددگار وہ، طلب و اعانت دُوسروں سے
دِکھا ہمیں سیدھا راستہ	راستہ وہ دکھائے، رہبر کوئی اور ٹھہرے
اُن لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا	آخر اُن لوگوں میں ہم کیوں شامل کئے جائیں جن پر
جو معتوب نہیں ہوئے	انعام ہوا کہ انعام تو فرمانبرداروں کا حق ہے۔
جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں	اُن لوگوں میں سے کیوں نہ ہوں جن پہ غضب ہوا
	کہ غضب ہی نافرمانوں کا مقدر رہے۔

عطیہ اشتہار

حاجی فتح محمد میموریل آرگنائزیشن

۷- حسن لشکری اسٹریٹ بادشاہی روڈ کراچی
۸۷- بلاک نمبر ۷، خانیوال

ظلم اور دہشت کے خلاف ایک احتجاج

آنکھ مچولی کا

خصوصی شمارہ

مقتول بچے نمبر

ایک خصوصی دستاویز

مارچ ۱۹۹۶ء میں منظرِ عام پر آرہا ہے

بعض ناگزیر وجوہ
کی بنا پر اب یہ شمارہ مارچ ۱۹۹۶ء
میں مظلوم بچے نمبر کے عنوان سے
منظرِ عام پر آئے گا

وہ پھول سے کومل بچے
جو گلی کوچوں میں بے گناہ قتل کردیے گئے
اسکول جانے والے بچے
جو اسکول سے لوٹ کر گھر نہیں آئے
تاوان وصول کرنے کے لیے اغوا کیے جانے والے بچے
جن کی زندگی کا چراغ گل ہوگیا
اور وہ تمام بچے
جو کسی نہ کسی ظلم اور دہشت کا شکار ہوگئے
ان بچوں کے بارے میں آنکھ مچولی میں
جیتے جاگتے فیچر، جیتی جاگتی تصویریں، الم ناک کہانیاں، اداس کردینے والی نظمیں، مظلوم والدین کے انٹرویوز

آپ بھی لکھیے

اگر آپ کے شہر یا محلّے میں ایسے کسی بچّے کا اغوا یا قتل ہوا ہو تو معلومات جمع کیجیے اور مضمون یا فیچر تحریر کیجیے۔

یہ ایک قومی خدمت بھی ہوگی اور تحریر کا معاوضہ بھی ملے گا!

مضامین بھیجنے کا پتہ: مدیرِ اعزازی ماہنامہ آنکھ مچولی، اے۔پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

آنکھ مچولی

شعبان/رمضان ۱۴۱۶ھ جنوری ۱۹۹۶ء

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت

رُکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۷

جلد ۱۰

مدیرِ اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

منتظمِ اعلیٰ
تجمل حسین چشتی

مدیرِ اعزازی
طاہر مسعود

مجلسِ ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان

مینیجر اشتہارات
عمران احمد

مصوّر
مومن رحیم

فون نمبر: ۳۹۴۲۸۵۷ ۳۹۴۳۸۲۱۰

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

[illegible]

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی ۵-اے پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

ناشر: ظفر محمود شیخ طابع: زاھد علی۔ مطبع لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

قیمت: ۱۸ روپے
۷ درہم ۷ ریال

ہر صبح ہشاش بشاش اُٹھنا اچھی صحت کی نشانی ہے۔ اگر آپ تھکے ماندے
بیدار ہوتے ہیں تو یقیناً یہ توانائی کی کمی کی علامت ہے جس کے لیے آپ کو
سنکارا کی سخت ضرورت ہے۔

سنکارا مجرّب جڑی بوٹیوں اور منتخب معدنی اجزا سے
تیار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت موثر نباتی و معدنی مرکّب ہے جو تیزی سے
توانائی بحال کرتا ہے اور صحت برقرار رکھتا ہے۔

ہر موسم میں ہر عمر کے لیے یکساں مفید سنکارا جو زندگی کو ایک ولولۂ تازہ عطا کرتا ہے
نباتی و معدنی مرکّب

ہمدرد

Adarts-CIN-2/91

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف	نورین فاطمہ چوہان	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	اداریہ	۹
حمدِ باری تعالیٰ (نظم)	ضیاء الحسن ضیاء	۱۰
اور دُعا قبول ہوگئی	زبیر طارق	۱۱
ادبی بحث	شمائلہ قاسم	۱۴
جن کا بچّہ	فرحات حنان	۲۰
سبزیاں، ترکاریاں اور پھل	نگہت آرا چوہان	۲۵
جسے اللہ رکھے	جنید حفیظ	۲۸
نیا سال (نظم)	ضیغم حمیدی	۳۱
کیچپ کی ایک بوتل	فرزانہ روحی	۳۲
خاندانِ گدھاھان	کلیم خلیق	۳۸
نیکی کا باغ (نظم)	حفیظ الرحمٰن احسن	۴۲
میرے دل میں رہو	عالیہ صلاح الدین	۴۴
مشہور کرکٹروں کی شرارتیں	سلیم خالق	۴۹
آخری اسٹاپ	خرم معراج	۵۱
میڈل	اشتیاق احمد	۵۶
مولوی عبدالحلیم شرر	ڈاکٹر اسلم فرخی	۶۰
علم (نظم)	ناصر زیدی	۶۵
چھوٹا	عظیم اختر میمن	۶۶
ہنستے ہنستے	منتخب لطائف	۶۹
اونچی عمارت اونچا مقام	رخشندہ خالد	۷۴
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی (نظم)	محمد جاوید خالد	۷۸
اب میں کیا کروں	ادارہ	۸۰
لغت کہانی	منیر احمد راشد	۸۴
بنام آنکھ مچولی	خطوں کے جواب	۸۷
واپسی	علی اکمل تصور	۹۱
ہوا یوں کہ	ادارہ	۹۹
کہانی انسان کی	اسحاق منصوری	۱۰۳
قلم دوست	ننھی تحریریں	۱۰۷

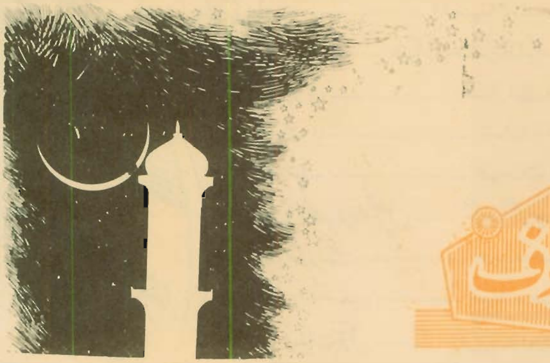

سنہرے حروف

ایک دفعہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسولؐ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

آپؐ نے سوال کیا۔ "کونسی بات؟" اس نے جواب دیا کہ "میری دولت کم نہیں ہوتی حالانکہ میں خیرات بھی کرتا ہوں زکوۃ وغیرہ بھی دیتا ہوں پھر بھی میری دولت بڑھ جاتی ہے۔ کم نہیں ہوتی۔"

آپؐ نے فرمایا کہ "تم گھوڑے پر بیٹھ کر چنے اور کھجوریں کھاؤ" وہ شخص چلا گیا اس نے حضورؐ کے مشورہ کے مطابق گھوڑے پر بیٹھ کر چنے اور کھجوریں کھانی شروع کردی۔ کھاتے کھاتے گھوڑے کے ہلنے کی وجہ سے ایک چنا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ وہ شخص گھوڑے سے اترا اور چنا تلاش کرنے لگا۔ کافی کوشش کے باوجود ریت کی وجہ سے اسے چنا نہ ملا۔ آخر اس نے ریت کو چھلنی سے چھاننا شروع کردیا۔ آخر کار اسے چنا مل گیا اور اس نے وہ کھالیا۔ واپس آکر اس نے تمام واقعہ حضورؐ کے گوش گزار کیا۔

واقعہ سن کر حضورؐ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور فرمایا کہ جو شخص رزق کی اتنی قدر کرتا ہو اس کا رزق بھلا کیسے کم ہو سکتا ہے۔

مرسلہ : نورین فاطمہ چوہان، بہاولپور

ماہِ رواں کی پہلی بات

نیا عیسوی سال آگیا۔

"ہیپی نیو ایئر" کے کارڈ بھیجتے اور مبارکباد دیتے ہوئے شاید ہی کسی کو خیال آیا ہو۔ یہ خیال کہ یہ سال ہمارا تو نہیں۔ ہمارا تو ہجری کیلنڈر ہے۔ ہجری سال کب آتا ہے اور کب رخصت ہو جاتا ہے؟ کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔ مبارک باد دینا اور سالِ نو کا کارڈ بھیجنا تو دور کی بات۔ بلکہ ہم میں سے بہت سوں کو تو اسلامی مہینوں کے نام بھی مشکل ہی سے یاد ہوں گے۔

بھلا ایسا کیوں ہے؟

وجہ یہ ہے کہ دنیا پر حکومت وہ قومیں کرتی ہیں جو علم کے میدان میں آگے ہوں۔ آج مغرب اور امریکہ ہم پر حاکم ہیں کیونکہ وہ علمی لحاظ سے ہم سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ علم کے میدان میں آگے ہونے کی وجہ سے وہ ہر شعبے میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً سائنس اور ٹیکنالوجی، معیشت، سیاست وغیرہ ہیں۔ اس لئے ہم لوگ ان سے مرعوب بھی رہتے ہیں۔ اتنے مرعوب کہ ان کا ہی لباس پہنتے ہیں، ان ہی کی زبان سیکھتے ہیں، ان ہی کے رسوم و رواج کو اپناتے ہیں، ان ہی کی ایجاد کردہ چیزوں کو استعمال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اچھے مستقبل کی تلاش میں ان ہی ملکوں کا رخ کرتے ہیں اور وہیں جا کر رچ بس جاتے ہیں۔ جب یہ صورت حال ہو تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کیلنڈر ہمارا اپنا ہو۔ مغرب ہی کا کیلنڈر دنیا بھر میں رائج ہے اور ہمارے ہاں بھی اسی کا رواج ہے۔ لیکن کبھی ہمیں یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ آخر ہم کب تک غلام رہیں گے؟ اور وہ دن کب آئے گا جب ہم اپنی تہذیب، اپنے لباس، اپنی زبان اور اپنے کیلنڈر کی طرف لوٹیں گے؟

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے لئے بڑے انقلاب کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں ایک طبقہ مغرب زدہ ہے اور اسی کے دم قدم سے یہاں مغرب کا چرچا ہے۔ ہمارے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ ہم سب اس صورت حال کے ذمہ دار ہیں۔ ذرا سوچئے اگر آج آپ مغربی لباس ترک کر کے اپنا لباس پہننے لگیں تو اس سے آپ کو کون روک سکتا ہے۔ اسی طرح ان سب معاملات میں جہاں ہمیں اپنے دین اور اپنی تہذیب کی پیروی کرنی چاہئے، اگر ہم مغرب کی تقلید کرنا چھوڑ دیں تو اس میں بھلا کیا حرج ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مغرب ہمارے اپنے ذہنوں اور دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے، جس دن آپ اسے وہاں سے نکال پھینکیں گے، وہ ہمارے ملک سے بھی رخصت ہو جائے گا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ دن کب آئے گا؟

آپ کا دوست

طاہر مسعود

حمدِ باری تعالیٰ

ضیاء الحسن ضیاء

ہے مالک تو ہی سب کا اور پاسباں
کیے تو نے تخلیق دونوں جہاں
بنائے ہیں تو نے پہاڑ اور بن
سجائے ہیں تو نے ہی سب گلستاں
ملے عارضی ہم کو رنج و الم
تو رکھتا ہے ہم کو سدا شادماں
ہر اک رنگ میں ہم نے دیکھا تجھے
کہیں پر عیاں اور کہیں پر نہاں
کسی شے کو وہ غیر جانے گا کیا
جو اسمائے رب کو رکھے حرزِ جاں[1]
تجھے جان سے کیوں نہ پیارا رکھیں
کہ ہم سب پہ یارب ہے تُو مہرباں
ضیاؔ ڈر ہو جس دل میں اللہ کا
ہر اک کام میں ہوگا وہ کامراں

[1]: بہت عزیز رکھنا

اور دعا قبول ہوگئی

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا

ترجمہ: زبیر طارق

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن سے ہم حدیث روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتے دار اور اسلام کو تسلیم کرنے والے اوّلین افراد میں سے ایک۔

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب نبی علیہ السلام کی پھوپھی تھیں۔

وہ رسول اکرمؐ کے برادر نسبتی بھی تھے۔ ان کی بہن زینب بنت جحش نبی علیہ السلام کی اہلیہ اور امہات المومنین میں سے ہیں۔

وہ پہلے شخص ہیں جنہیں اسلام میں قائد بنا کر پرچم سونپا گیا اور اس وجہ سے انہیں سب سے پہلے امیر المومنین پکارا گیا.....

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دارالارقم کے زمانے سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس طرح انہیں مسلمانوں کے اوّلین گروہ میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ نبی علیہ السلام نے قریش کی ایذا سے بچنے اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر صحابہ کرامؓ کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دی تو اس فضیلت میں ابو سلمہؓ حضرت عبداللہؓ سے آگے بڑھ گئے اور اس طرح حضرت عبداللہؓ بن جحش کو دوسرا مہاجر بننے کا شرف حاصل ہوا۔

اللہ کی راہ میں ہجرت اور اپنے اہل خانہ اور وطن سے جدائی ان کے لئے نیا تجربہ نہ تھا۔ وہ اس سے قبل اپنے بعض رشتہ داروں کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر چکے تھے۔ تاہم اس مرتبہ یہ ہجرت وسیع پیمانے پر تھی۔ ان کے بال بچے، دیگر عزیز و اقارب، مرد، عورتیں، بوڑھے جوان اور بچے سبھی اس ہجرت میں شریک تھے۔ اب ان کا گھر ایک اسلامی گھر اور ان کا قبیلہ اہل ایمان کا قبیلہ تھا۔

عبداللہؓ بن جحش اور ان کے عزیز و اقارب مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کے پیچھے ان کے خالی گھر بھائیں بھائیں کر رہے تھے۔ ان خالی مکانوں میں ہوائیں سرسراتی پھرتی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا جیسے ان میں کبھی کوئی غمخوار بسا ہی نہ تھا اور راتوں کو یہاں باتیں کرنے والے کبھی رہے ہی نہ تھے۔

ان لوگوں کو ہجرت کئے تھوڑی ہی مدت گزری تھی۔ ایک دن قریش کے سردار یہ جائزہ

لینے نکلے کہ مسلمانوں میں سے کون لوگ جا چکے ہیں اور کون ابھی مکہ میں ہی ہیں۔ ان سرداروں میں ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ بھی شامل تھے۔

عتبہ بن ربیعہ کی نظر بنی جحش کے گھروں پر پڑی تو اس نے دیکھا۔ ہوا چلنے سے گردو غبار کا بھنور اٹھتا ہے اور دروازے بجنے لگتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر عتبہ بولا :

"بنی جحش کے گھر اپنے مکینوں پر رو رہے ہیں...."

"یہ کون لوگ ہوتے ہیں جن پر یہ گھر روئیں۔" ابوجہل بولا اور اس نے عبداللہؓ کے مکان پر جو انتہائی خوبصورت تعمیر ہوا تھا' ہاتھ رکھ دیا۔ ہاتھ کیا رکھا گویا مکان اور اس میں موجود سامان کے تمام اختیارات حاصل کر لئے۔

حضرت عبداللہؓ بن جحش کو ابوجہل کی اس حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا :

"عبداللہ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اللہ تمہیں اس کے بدلے جنت میں گھر عطا کرے؟"

"اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔"

"پھر وہ تمہارے لئے ہے۔"

یہ خوشخبری سن کر عبداللہؓ کا غم جاتا رہا اور وہ خوش ہوگئے۔ حضرت عبداللہؓ نے پہلی اور دوسری ہجرت کے دوران جو تکلیفیں اٹھائی تھیں اس کے بعد انصار کے ہمراہ راحت و سکون سے دن بسر کرتے رہے۔ مگر اللہ کی جانب سے ایک سخت آزمائش ان کی منتظر تھی اور انہیں اپنی زندگی کے سخت ترین امتحان سے دوچار ہونا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی عسکری کارروائی کے لئے آٹھ افراد روانہ فرمائے۔ ان میں عبداللہ بن جحش اور سعدؓ بن ابی وقاص بھی شامل تھے۔ آپؐ نے فرمایا : "میں تمہارا امیر اس شخص کو بناؤں گا جو بھوک اور پیاس کی سختی زیادہ برداشت کرسکے۔" اس کے بعد آپؐ نے یہ قیادت عبداللہؓ کو سونپ دی اور اس طرح وہ مسلمانوں کی کسی جماعت کے پہلے امیر مقرر ہوئے۔ (بعض روایات میں امیر حمزہ بن عبدالمطلب کو پہلا امیر قرار دیا گیا ہے۔ کچھ افراد نے اس سلسلے میں چند اور حضرات کے نام لکھے ہیں)

نبی علیہ السلام نے سفر کے لئے سمت کا تعین فرمایا۔ پھر آپؐ نے ان کو ایک خط دیا اور تاکید فرمائی کہ اسے دو دن کے سفر کے بعد کھولا جائے۔

یہ سریہ دو دن کا سفر ختم کر چکا تو عبداللہؓ نے خط کھولا' اسے پڑھا اور فرمایا : "نبی السلام کا فرمان سر آنکھوں پر۔" اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے اور کہا : "رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں طائف و مکہ کے درمیان نخلہ پہنچ کر قریش کی نقل و حرکت کی نگرانی کروں اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ انہوں نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں تم میں سے کسی کو اس کی مرضی کے خلاف لے کر نہ جاؤں۔ پس جو کوئی شہادت کی خواہش اور آرزو رکھتا ہے، وہ میرے ساتھ چلے اور جسے یہ پسند نہیں وہ واپس چلا جائے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں۔"

ان کی یہ بات سن کر ساتھیوں نے کہا : "اللہ کے رسولؐ کا فرمان ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ آپ جہاں جائیں گے ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

یہ جماعت سفر پر دوبارہ روانہ ہوئی اور نخلہ جا پہنچی۔ انہوں نے یہاں مختلف راستوں پر قریش کے بارے میں ٹو لگانی شروع کی۔ اس دوران انہوں نے قریش کے ایک قافلے کو پالیا۔ اس قافلے کے ہمراہ چار اشخاص تھے اور ان کے ہمراہ تجارتی سامان میں کھال، خشک پھل اور دوسرا سامان تھا جس کی قریش تجارت کیا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ اس قافلے کے بارے میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔ اس دن حرام مہینوں میں سے ایک کا آخری دن تھا۔ ان حرام (قابل احترام) مہینوں میں ذوقعدۃ، ذوالحجہ، محرم اور رجب شامل ہیں۔ عربوں کا یہ قاعدہ تھا کہ ان مہینوں کے احترام میں اس دوران لڑائی اور قتل و غارت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ صحابہؓ کہنے لگے : "اگر ہم نے ان پر حملہ کیا تو اس مہینے کی حرمت پامال ہوگی اور پورا عرب بگڑ بیٹھے گا۔ آج یہ ارادہ ملتوی کرتے ہیں تو یہ لوگ حرمت والی زمین (یعنی مکہ مکرمہ جہاں کسی سے لڑنا اور اسے قتل کرنا منع ہے) میں داخل ہو کر امن کی جگہ پہنچ جائیں گے اور پھر ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (سورہ بقرہ رکوع ۲۷)

وہ باہم سوچ بچار کرتے رہے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان پر حملہ کردیا جائے اور انہیں قتل کر کے ان کا مال چھین لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے قریشی قافلے پر دھاوا بول دیا۔ اس لڑائی میں دشمن کا ایک آدمی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ دو افراد کو انہوں نے قید کرلیا۔ چوتھا شخص بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔

عبداللہؓ بن جحش اور ان کے ساتھی اپنے قیدیوں کو لے کر مدینہ پہنچے۔ نبی علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ ناراض ہوئے اور اس حرکت کو ناپسند کیا۔ آپؐ نے فرمایا : "واللہ! میں نے تمہیں لڑائی کا حکم نہیں دیا تھا۔ میں نے تمہیں قریش کی ٹوہ لگانے اور ان کی

نقل و حرکت کے متعلق معلومات حاصل کرنے بھیجا تھا۔"

دونوں قیدی چپ چاپ کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں..... آپ نے مال غنیمت کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ اس میں سے کوئی چیز لی۔

عبداللہؓ بن جحش اور ان کے ساتھی انتہائی نادم تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ کے رسولؐ کی نافرمانی کے باعث وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ دوسری جانب ان کے مسلمان بھائیوں نے اٹھتے بیٹھتے انہیں ملامت شروع کر دی۔ وہ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے کہتے : "یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔

ان حضرات کا دکھ اس وقت مزید بڑھ گیا جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ قریش نے اس حادثہ کو نبی علیہ السلام کے خلاف پروپیگنڈہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ قبائل کے درمیان اس کی تشہیر کرتے اور کہتے : محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرمت والے مہینے کو حلال ٹھہرا لیا۔ اس میں خون بہایا، مال لوٹا اور لوگوں کو قیدی بنایا ہے....."

اس غم اور رنج کا مت پوچھئے جو عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں پر ٹوٹ رہا تھا اور نہ اس ندامت کی بات کیجئے جس میں یہ حضرات مبتلا تھے کہ ان کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قصور میں شریک کر لیا گیا تھا۔

ان کا دکھ بڑھتا گیا اور ان کی آزمائش بھاری ہوتی چلی گئی۔ آخر کار ایک شخص ان کے پاس یہ خوشخبری لایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس کام سے راضی ہو گیا۔ اس نے اپنے نبیؐ پر وحی نازل فرما دی تھی۔

"لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو : اس میں لڑنا بہت بُرا ہے مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اس سے بھی زیادہ بُرا ہے فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے۔" (البقرہ - ۲۱۷)

حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں کو یہ اطلاع پا کر بے پناہ مسرت ہوئی۔ لوگ آ آ کر ان سے گلے ملے اور مبارکباد دی۔

یہ آیات نازل ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت خوش تھے۔ آپ نے مال غنیمت قبول کر لیا اور قیدیوں کو فدیہ کے عوض چھوڑ دیا۔

عبداللہؓ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کی یہ لڑائی مسلمانوں کی زندگی کا بہت بڑا واقعہ تھا۔

وہ اسلام میں پہلا مال غنیمت لے کر آئے اور انہوں نے مسلمانوں کی جانب سے پہلی مرتبہ کسی مشرک کو قتل کیا۔ ان کے قیدی پہلے اسیر تھے جنہیں مسلمانوں نے گرفتار کیا۔ ان کا پرچم وہ پہلا پرچم تھا جسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں نے کسی کو دیا اور اس جماعت کے امیر عبداللہؓ وہ پہلے شخص تھے جنہیں امیرالمومنین کہا گیا۔

اس کے بعد بدر کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت عبداللہؓ اپنی ایمانی قوت کی بنا پر اس آزمائش میں پورا اترے۔

تھوڑی مدت گزری تھی کہ غزوۂ احد کا وقت آپہنچا۔ اس موقعہ پر عبداللہؓ اور ان کے ساتھی سعدؓ بن ابی وقاص کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ آیئے یہ قصہ سعدؓ کی زبانی سنتے ہیں۔

"غزوۂ احد کے موقعہ پر عبداللہؓ بن جحش مجھے ملے اور کہا : "آؤ اللہ سے دعا کریں۔" میں نے کہا : "ضرور۔" چنانچہ ہم تنہائی میں پہنچے اور میں نے دعا کی۔

"اے اللہ! کل میرا سامنا کسی ایسے دشمن سے ہو جو انتہائی طاقتور اور غضب ناک ہو۔ میں اس سے لڑوں' وہ مجھ سے لڑے۔ پھر مجھے غالب فرما تاکہ میں اسے قتل کر ڈالوں اور اس کے سامان پر قابض ہو جاؤں۔" عبداللہؓ بن جحش نے اس دعا پر آمین کہی اور خود دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے :

"اے اللہ مجھے کسی نہایت بہادر اور جوشیلے شخص سے ملا۔ میں تیری راہ میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے۔ پھر وہ مجھے مار ڈالے اور میری ناک اور کان کاٹ دے۔ کل جب میں آپ سے ملوں تو آپ پوچھیں :

"تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے؟"

میں جواب دوں اے اللہ آپ کی اور آپ کے رسولؐ کی راہ میں۔" اور.... آپ کہیں :

"تو نے سچ کہا۔"

سعدؓ کہتے ہیں : عبداللہ کی دعا یقیناً میری دعا سے بہتر تھی۔ میں نے دن ختم ہونے پر انہیں دیکھا' وہ قتل ہوئے پڑے تھے اور ان کی ناک اور کان کاٹ دیئے گئے تھے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے عبداللہؓ بن جحش کی دعا قبول فرمائی اور انہیں ان کے ماموں سیدنا حمزہؓ بن عبدالمطلب کی طرح شہادت کی دولت عطا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں ماموں اور بھانجا کو ایک ہی قبر میں دفن فرمایا۔ ان کا شہادت سے بسا ہوا پاک خون قبر کو سیراب کر رہا تھا۔

ادبی بحث

شمائلہ قاسم

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام، جی فرمایئے۔"

"میں یہاں آپ کے برابر میں بیٹھ سکتا ہوں۔ آپ ڈسٹرب تو نہیں ہوں گے۔"

"ارے نہیں نہیں کیسی بات کر رہے ہیں، ضرور بیٹھیے۔"

"شکریہ.... جب سے آپ حیدر آباد اسٹیشن سے چڑھے ہیں مسلسل کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں۔ ادب کے قدر دان معلوم ہوتے ہیں۔"

"آ.....ہاں..... ٹھیک کہا آپ نے مجھ ناچیز کو اگر کسی چیز کا شوق ہے تو یہی کتابیں پڑھنے کا، بس کتابیں خریدتا ہوں، کتابیں پڑھتا ہوں۔"

"ہوں ...... مجھ میں بھی اتفاق سے یہی جراثیم پائے جاتے ہیں۔"

"اچھا اچھا..... بہت خوب بھئی بہت خوب، میں ایسے لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوتا ہوں جنہیں ادب سے دلچسپی ہو۔"

"مجھے بھی ادب کے شائقین سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے جبھی تو آپ کے برابر میں سیٹ

خالی دیکھ کر یہاں چلا آیا ویسے تو میں آپ کی سامنے والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا"

"ویسے ٹرین کا سفر مجھے پسند نہیں۔ میری بدقسمتی دیکھئے کہ میں نے گھر سے چلتے وقت کتابیں ایک تھیلے میں باندھ کر رکھی تھیں وہ اسٹیشن پر اترتے وقت شاید گاڑی میں ہی رہ گئیں۔ ٹرین میں بیٹھے بیٹھے تو انسان بور ہو جاتا ہے۔"

"ہاں بات تو صحیح کہہ رہے ہیں آپ لیکن اگر کتابیں ساتھ ہوں تو پھر سفر کاٹنا آسان ہو جاتا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ٹرین میں انسان اور سکون کے ساتھ مطالعہ کر سکتا ہے۔"

"ہاں بات تو آپ کی بھی صحیح ہے۔ ویسے آپ جا کہاں رہے ہیں؟"

"پیدا ہونے جارہا ہوں۔"

"پیدا ہونے؟ ...... اچھا سمجھا لاہور کی بات کر رہے ہیں' میں بھی وہیں جارہا ہوں۔"

"اچھا ...... ارے واہ بھئی اب تو سفر آپ کے ساتھ باتوں میں آسانی سے کٹ جائے گا۔"

"ویسے تو سوال ذرا روایتی سا ہے لیکن پھر بھی پوچھ رہا ہوں کہ آپ کا پسندیدہ مصنف کون ہے؟"

"بھئی مجھے تو سلمان صاحب کے ناول بہت پسند ہیں کیا غضب کا لکھتے ہیں۔"

"بُرا مت مانئے گا۔ مجھے تو ان کے ناول ذرا برابر بھی پسند نہیں۔"

"اچھا خیر اپنی اپنی پسند ہے۔ مگر آپ چند ایک برائیاں بتانا پسند کریں گے' ان کی تحریروں کی۔"

"مجھے تو ان کی تحریروں کا مقصد ہی آج تک نہیں سمجھ میں آیا ان کی تحریروں کا نہ سر ہوتا ہے۔ نہ پیر بلکہ میں تو یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ وہ اردو ادب کو بدنام کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے۔"

"ارے بھائی کیا بات کرتے ہیں۔ ان کی کہانی کا پلاٹ ہی اتنا شاندار ہوتا ہے کہ بس ..... ان کے جیسا پلاٹ تو کسی اور مصنف کے ذہن میں آہی نہیں سکتا۔"

"اصل میں وہ آپ کو پسند ہیں نا اس لئے آپ ایسی بات کر رہے ہیں۔ ذرا حقیقت کی نظر سے دیکھئے ناں۔"

"بھائی صاحب! آپ یہ بھی تو دیکھئے کہ پسند کس لئے ہیں۔ ظاہر ہے اتنے اچھے افسانے لکھتے ہیں جبھی تو پسند ہیں نا۔"

"اچھا بھئی دیکھئے ان کی تحریروں میں مکالمے کی بہت کمی ہوتی ہے۔ حالانکہ مکالمے ہی تو کہانی میں جان ڈالتے ہیں۔"

"ارے نہیں صاحب مکالمے تو اتنے شاندار ہوتے ہیں کہ اصل کا گمان ہوتا ہے۔"

جواہر پارے

○ سحر خیزی میں پرندوں کا سبقت لے جانا تیرے لئے باعثِ ندامت ہے۔

○ طالبِ دنیا کو علم پڑھانا راہزن کے ہاتھ تلوار فروخت کرنا ہے۔

○ جس شخص کو سال بھر کوئی تکلیف نہ پہنچے یا رنج نہ پہنچے' وہ جان لے کہ مجھ سے میرا رب ناراض ہوگیا ہے۔"مرسلہ : صوفیہ سلطان' کراچی

"توبہ توبہ ..... ان سے اچھا تو پہلی جماعت کا بچہ بھی لکھ سکتا ہے۔"

"ارے صاحب کیا بات کرتے ہیں ..... ان کے جیسا لکھنا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔"

"بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے آج تک ان کے جتنے بھی افسانے پڑھے ہیں ان سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ ان سے برا کوئی نہیں لکھ سکتا۔"

"آپ نے بالکل غلط اندازہ لگایا ہے۔"

"اچھا سنیں وہ اپنی زیادہ تر تحریروں کا اختتام کرتے ہی نہیں یا بالکل ادھورا اختتام کرتے ہیں۔"

"بھائی ان کی تحریروں کا اختتام تو بالکل منفرد ہوتا ہے۔"

"ان کے ناولوں کے جتنے بھی ڈرامے آج تک بنے ہیں ان کے آخر میں سوالیہ نشان ہوتا ہے۔ یعنی آگے آپ خود سمجھ جائیں۔"

"ہیں کیا کہا آپ نے ڈرامے ...... ارے بھائی ان کے ناولوں کے ڈرامے تو آج تک بنے ہی نہیں۔"

"نہیں بھئی میں نے خود ان کے ڈرامے دیکھے ہیں۔"

"ارے کیا واقعی' اب تو میں بھی دیکھوں گا ذرا نام تو بتائیے گا ڈراموں کے۔"

"دو کے نام تو یاد ہیں "راہ" اور "فلک" اور باقی کے یاد نہیں۔ ان کے بھی اس لئے یاد ہیں کہ ایک تو حال ہی میں ختم ہوا ہے۔ اور دوسرا ابھی چل رہا ہے"

"راہ" اور "فلک" یہ تو ان کے کسی ناول کا نام نہیں۔"

"ارے بھائی تو ضروری تھوڑی ہے کہ جو نام ناول کا ہو وہی ڈرامے کا بھی ہو۔"

"ٹھیک ہے ..... اچھا یہ بتائیں کہ آپ نے خود ان کا نام پڑھا ہے۔"

"ہاں میں نے خود پڑھا تھا کہ تحریر "سلمان شوکت" کی ......"

"کیا کہا "سلمان شوکت...." ارے بھائی میں سلمان شوکت نہیں "سلمان بیگ" کی بات کر رہا ہوں۔"

"کیا......؟؟"

"جی ہاں...."

لطیفے چند لکیروں میں

فرقان وہاب

جن کا بچہ

تحریر: فرحت ثمان

ہماری جماعت میں ایک جن کا بچہ پڑھتا تھا۔ اس کا پتا ہمیں بعد میں چلا اس کا نام ضاد تھا اور وہ ہمارا محلّہ دار بھی تھا۔ پہلے تو ہم لوگ اس سے ڈرے۔ خاص کر عرفان تو بہت خوفزدہ رہتا مگر آہستہ آہستہ وہ ہمارے ساتھ گھل مل گیا۔ یہاں تک کے ہم گہرے دوست بن گئے اب جب کبھی ہمارا کسی سے جھگڑا ہو جاتا تو ضاد کو ساتھ لے جاتے وہ دبلا پتلا تھا چنانچہ سامنے والا اسے دیکھ کر اس کا مذاق اڑاتا جس پر ضاد ہوا میں اڑنے لگتا یہ منظر ہمارے لئے بہت اچھا اور سامنے والے کے لئے ناقابل یقین ہوتا چنانچہ ان میں سے کچھ سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوتے کچھ وہیں بے ہوش

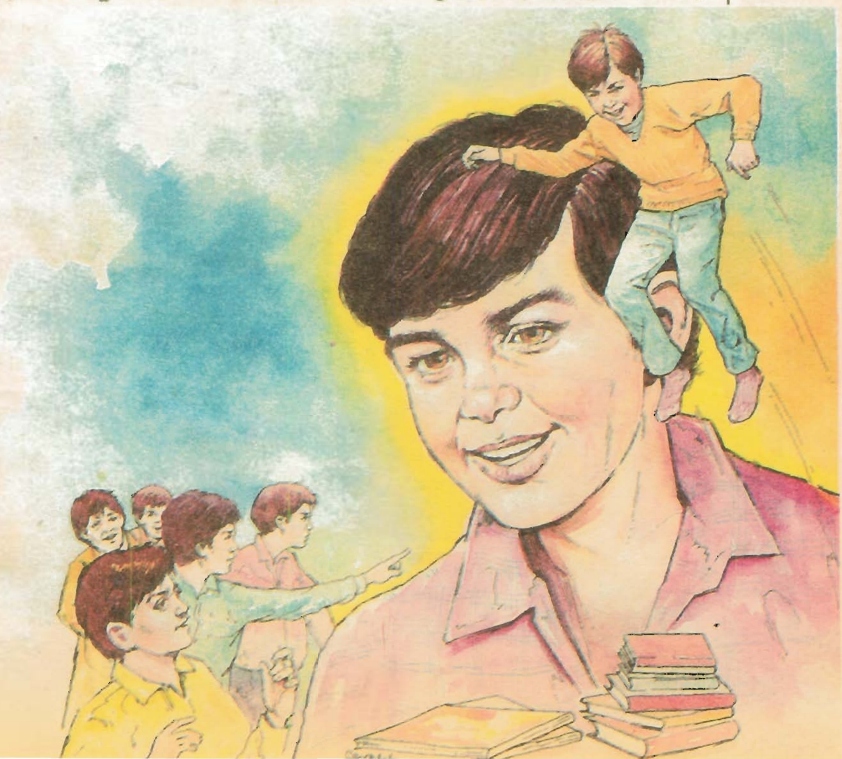

ہو جاتے اور کچھ سکتے کے عالم میں کھڑے رہ جاتے۔ تاہم اساتذہ اور باقی لڑکوں کو اس کا پتا نہیں تھا کہ ضاد جن کا بچہ ہے۔ اردو کے ٹیسٹ میں فیل ہونے پر ضاد نے مار بھی کھائی مگر اس نے اپنے استاد کو کچھ نہ کہا۔ غلام نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "مجھے لگتا ہے یہ ماسٹر صاحب کو رات میں جا کر ڈرائے گا۔" مگر ایسا کچھ نہ ہوا شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ابا نے سختی سے ہدایت کر رکھی تھی "کسی کو پتا نہ چلے کہ تم جن ہو۔" مگر ہمیں پتا تھا۔

ضاد نے مجھے ایک دفعہ آکر بتایا "ہمارے ابا کو جن برادری سے نکال دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم تمہارے محلے میں آگئے ہیں۔" کیوں نکالا گیا ہے؟" یہ تو اسے پتا نہیں تھا اور ہمیں بھی اس سے کوئی مطلب نہ تھا یہ جنوں کا آپس کا معاملہ ہے انسان کون ہوتا ہے بیچ میں ٹانگ اڑانے والا۔

گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں تو سب کے مزے آگئے مگر انہیں گزارنا بھی ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ "کیوں نہ پتنگ بازی کی جائے۔" صالح نے تجویز پیش کی۔ پچھلے دنوں انجم پتنگ اڑاتے ہوئے تیسری منزل سے گر کر اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھا تھا اس لئے یہ تجویز سب نے مسترد کر دی۔ "پھر ٹھیک ہے فٹبال کھیلتے ہیں۔" چنانچہ سب صبح سے دوپہر تک فٹبال کم کھیلتے، ریت میں لوٹ زیادہ لگاتے، ضاد گول کیپر بنتا چنانچہ گول کرنا بہت مشکل ہوتا کم بخت گیند کو ہوا میں اڑ کر پکڑ لیتا۔ اب سوچا گیا شام کا وقت کس طرح گزارا جائے۔ یاسر نے کہا "وڈیو گیم کھیلا جائے۔" مگر کسی کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ روز، روز وڈیو گیم کھیلے۔ انہی دنوں عاطف جو عمر میں ہم سب سے بڑا تھا کہیں سے غلیل لے آیا۔ مغرب کا وقت تھا۔ عاطف غلیل میں پتھر لگا لگا کر ادھر ادھر مار رہا تھا۔ اچانک اس نے کھمبے کا نشانہ لیا اور غلیل داغ دی۔ ایک دھماکہ ہوا کھمبے کا بلب پھوٹ چکا تھا۔ ہم سب نے ادھر ادھر دیکھا گلی میں سناٹا تھا پھر ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا گویا رات گزارنے کا مشغلہ مل چکا تھا۔ ہم سب رات ۸ بجے جمع ہوئے سب کے ہاتھوں میں غلیلیں تھیں۔ گلیاں سنسان تھیں، لوگ گھروں میں ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ ہم نے نشانے لینا شروع کئے۔ شاہد اور غلام کے نشانے سب سے خراب تھے۔ وہ ایک بھی بلب نہ پھوڑ سکے۔ یاسر اور عرفان کے نشانے بہت اچھے تھے۔ دونوں نے تین، تین بلب پھوڑے۔ باقی کسی کے حصے میں ایک تو کسی کے حصے میں دو بلب آئے۔ کچھ ہی دیر میں گلی تاریک ہو گئی۔ "اب گھر چلنا چاہئے، کل پڑوس کے محلے کے بلب دیکھیں گے۔" میں نے حکم سنایا ضاد بھی خوش تھا۔

صبح فٹبال کے میدان میں یاسر نہیں آیا۔ ہم نے کھیل شروع کردیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پریشان حال آیا بولا "میرے ابا رات سائیکل پر آرہے تھے کہ اندھیرے کی وجہ سے ایک کتے پر سائیکل چڑھادی.........."

آگے کی کہانی بہت خطرناک تھی۔ یاسر نے بتایا کہ وہ جب گھر پہنچے تو، گھر والوں نے انہیں پہنچانے سے انکار کردیا سمجھے کوئی بھکاری آیا ہے۔ آخر کار جب انہوں نے بتایا کہ کتے نے ان کے کپڑے پھاڑ دیئے اور انہیں جگہ جگہ سے کاٹا ہے، تو انہیں پہچانا گیا۔ یاسر نے عاطف کا گلا پکڑلیا "یہ سب تمہاری حرکت ہے تمہاری وجہ سے یہ ہوا ہے۔" ہم نے بڑی مشکل سے اسے چھڑایا۔ میں نے کہا "یاسر ہمیں تمہارے ابا کا سُن کر بڑا افسوس ہوا جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم محلے کے کھمبوں میں بلب دوبارہ لگائیں گے۔"

"مگر بلب آئیں گے کہاں سے؟" شاہد نے عینک درست کرتے ہوئے پوچھا۔

"ضاد!" میں نے کہا "یہ ہماری مدد کرے گا۔"

☆ --- ☆ --- ☆

رات ۸ بجے ضاد اور ہماری ٹولی جمع ہو گئی۔

"شاباش، شروع ہو جاؤ جب کوئی آئے گا تو یاسر سیٹی بجادے گا۔"

غلام نے کہا۔ یاسر گلی کے نکڑ پر کھڑا تھا۔

ضاد ہوا میں اڑتے ہوئے ابراہیم صاحب کے گھر کے صحن میں اتر گیا اندر ان کے گھر والے اونچی آواز میں ٹی وی پر گانے دیکھ رہے تھے۔ ضاد نے صحن کا بلب نکالا اور ہوا میں اڑتے ہوئے باہر آگیا پھر اس نے بلب اڑ کر کھمبے میں لگادیا، یوں کچھ ہی دیر میں گلی روشن ہوگئی اور محلے کے گھروں کے صحن تاریک ہوگئے۔

"ارے بیگم یہ ہمارا بلب کون لے گیا؟" کسی گھر سے آواز آئی۔ ہم لوگ پان کے کیبن کے پیچھے چھپ گئے۔ آہستہ آہستہ محلے کے سارے لوگ باہر نکل آئے، "یہ حیرت انگیز ہے گھروں کے بلبوں کا بیک وقت غائب ہونا۔" کسی نے کہا "یہ تو کسی جن کی حرکت لگتی ہے۔" ضاد نے تبصرہ کیا "جب محلے کے بلب ٹوٹے تھے تب تو کسی کو فکر نہ ہوئی اب اپنے گھروں کے بلب جانے پر کیسا افسوس ہے۔"

"اسی کا نام انسان ہے۔" عاطف نے کہا۔

☆ --- ☆ --- ☆

تین دن بعد صالح گھبراتا ہوا آیا۔ "محلے کے بلب پھر کسی نے توڑ دیئے ہیں۔" ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ "یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ کوئی اور ٹولہ ہے۔ ہم میں سے تو کوئی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔"

رات ہم نے کھمبوں کے بلب پھر لگادیئے محلے میں پھر کہرام مچ گیا۔ "اب ہمیں نگرانی کرنی چاہئے کون ہے یہ بلب پھوڑ گروہ؟" عرفان نے کہا۔ چنانچہ ہم نگرانی کرنے لگے رات دس بجے دس بارہ لڑکوں کا گروہ نمودار ہوا۔ آتے ہی انہوں نے پہلے کھمبے پر لگا بلب پھوڑا پھر دوسرے کھمبے کا بلب پھوڑا مگر پھر ہم سب لڑکے سامنے آگئے۔ "خبردار کھیل ختم ہوچکا ہے" عاطف نے فلمی ڈائیلاگ بولا۔

"ہمیں روک کر تو دیکھو!" دوسری طرف سے گویا دھمکی دی گئی۔

"ضاد! ذرا دکھانا تو....." میں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ضاد میرا اشارہ سمجھ چکا تھا چنانچہ وہ آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہو کر تیرنے لگا۔ دشمن ٹولی نے ایک دوسرے کو دیکھا مگر یہ کیا وہ سب بھی آہستہ آہستہ فضا میں اٹھنے لگے۔ضاد کی طرح، یہاں تک کے وہ بھی ہوا میں تیرنے لگے۔ عرفان چلایا "ارے بھاگو۔" اور ہم سب سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اگلے دن ہم سب منہ لٹکائے بیٹھے تھے عاطف نے پوچھا "کیا وہ سب جن تھے؟"

☆ --- ☆ --- ☆

"تمہیں کوئی شک ہے؟ انسان تو اڑنے سے رہا۔" صالح نے جواب دیا۔ "ہمیں قریبی جن اسکول سے رجوع کرنا چاہئے۔" ضاد بولا۔

"جن اسکول! وہاں جانے سے کیا ہوگا؟" غلام نے پوچھا۔

"وہاں ان لڑکوں کا سراغ مل جائے گا ہم جن ماسٹر صاحب سے ان کی شکایت کریں گے۔" ضاد نے کہا۔

"اور لڑکے مان جائیں گے؟" شاہد نے پوچھا۔

"ہاں ہم جن اپنے استادوں کا حکم نہیں ٹالتے ہیں۔" ضاد نے جواب دیا۔

جمعرات کی رات ہم سب لڑکے جنگل روانہ ہوئے عاطف عرفان اور غلام کافی ڈر رہے تھے مگر میں نے کہا "تم جنوں سے ڈر رہے ہو مگر جن تو ہمارے ساتھ ہے پھر ڈر کیسا؟" کچھ دور جاکر ہمیں ایک کھنڈر نظر آیا۔ ضاد نے کہا "ڈرنا نہیں بے دھڑک اندر چلتے ہیں۔" چنانچہ ہم اندر گھس گئے اندر توے کی طرح کالا استاد تیس پینتیس بچوں کو پڑھا رہا تھا۔

میں نے دیکھا تختہ سیاہ پر لکھا ہے "انسان خود غرض ہوتا ہے۔ انسان لالچی ہوتا ہے۔ انسان حاسد ہوتا ہے۔" اسی لمحے ضاد نے کہا "ماسٹر صاحب ہمیں آپ کے طالب علموں کی شکایت کرنا ہے۔ یہ چھٹی کے بعد ہمارے محلے سے گزرتے ہوئے وہاں کے بلب پھوڑتے ہیں۔" میں نے دیکھا کل والے لڑکے بھی وہاں بیٹھے تھے

فرق

جب چرواہا بکرے کو بھیڑیئے کی مضبوط گرفت سے آزاد کراتا ہے تو بکرا اسے "آزادی فراہم کرنے والا" سمجھتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرتا ہے جبکہ دوسری طرف بھیڑیا اسی عمل کی بنا پر اسے "آزادی میں مداخلت کرنے والا" تصور کرتا ہے اور اسے برا بھلا کہتا ہے۔ (لنکن)

مرسلہ : سائرہ سعید، کراچی

ماسٹر صاحب نے غور سے سب کو دیکھا پھر وہ بولے "ضاد تمہارے والد کو تو جن برادری سے نکال دیا گیا ہے نا؟"

ضاد نے کہا "ماسٹر صاحب یہ ہماری شکایت کا جواب نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے طالب علم بلب نہ پھوڑیں اس سے اندھیرا پھیل جاتا ہے اور انسان اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتا ہے،چنانچہ اس طرح وہ حادثے کا شکار ہوجاتا ہے۔ گٹر کھلے رہتے ہیں،سڑکیں پہلے ہی خراب ہیں۔ پہلے ہم بھی یہی شرارت کرتے تھے مگر جب ہمیں اس کے مضرات کا اندازہ ہوا تو ہم نے ایسا کرنا چھوڑ دیا۔اگر آپ کے طالب علم انسانوں کا بھلا نہیں کرسکتے تو ان کا بُرا بھی نہ کریں۔" ماسٹر صاحب کے چہرے کے تاثرات عجیب تھے۔

انہوں نے ضاد کو گلے لگالیا۔

"مجھے تمہارے خیالات سن کر خوشی ہوئی۔" وہ بولے "اور میں سفارش کروں گا کہ تمہارے والد کو برادری میں واپس لے لیا جائے کیوں کہ تم ایک اچھے جن بچے ہو۔تمہاری جگہ تو ہمارے دل میں ہے اور ہاں تم انسانوں کے بچو! تمہیں آئندہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" اور یوں ہم سب خوشی خوشی جن اسکول سے واپس لوٹے۔

تین روز بعد ایک صبح ضاد فٹبال میدان پہنچا تو اس نے کہا "ہمارے والد کو برادری نے واپس لے لیا ہے۔اب ہم واپس جارہے ہیں،جنوں کے درمیان" ہم نے سنا تو اداس ہوگئے۔

"اچھے دوستوں کو ہنس کر الوداع کہنا مشکل ہوتا ہے۔" میں نے کہا "مگر ہمیں خوشی ہے کہ تم لوگوں کو برادری نے قبول کرلیا۔ سب باری باری ضاد کے گلے لگے اور اس طرح وہ ہم سب سے رخصت ہوگیا۔اس کے جانے کے بعد ہم نے جن اسکول کی بہت تلاش کی مگر ہم وہاں تک کبھی نہ پہنچ سکے۔

اب اکثر ہمارے اردو کے استاد کہتے ہیں "وہ ضاد کہاں گیا؟شاید میری مار سے ڈر کر اسکول چھوڑ گیا۔" جس پر ہم سب کہتے ہیں۔

"جناب ضاد کو پڑھانا انسان کی بس کی بات نہ تھی اسے تو کوئی جن ہی پڑھا سکتا تھا۔" اور ماسٹر صاحب مسکرا کر رہ جاتے ہیں۔

سبزیاں، ترکاریاں اور پھل

نگہت آرا چوہان

سبزیاں ایسی نباتات ہیں جن میں نرم تنا اور لچکدار لکڑی ہوتی ہے یا نہیں بھی ہوتی۔ پودے کا جو حصہ ہم کھاتے ہیں وہ جڑ بھی ہو سکتی ہے مثلاً چقندر یا تنا مثلاً مارچوبہ، پتے مثلاً ساگ اور پھول یعنی گوبھی، یا پھل جیسے ٹماٹر اور بیج یعنی مٹر وغیرہ۔ قدیم انسان نے جنگلی سبزیاں مثلاً مٹر اور پھلیاں اور جڑیں وغیرہ دریافت کر لی تھیں۔ پتوں والی سبزیاں اور ساگ پات وغیرہ قدیم ترین باغات میں اگائی گئیں البتہ ہمیں ان کے آغاز کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔

قدیم مصری سلاد، ساگ، خربوزے، مٹر، مولی، پیاز، لہسن اور کئی قسم کی پھلیاں اگاتے تھے، چنانچہ ہزاروں سال پہلے بھی انسان کو مختلف قسم کی سبزیاں میسر تھیں۔ بعد میں یونانی اور رومی بھی مصریوں کی سبزیوں کے عادی ہو گئے اور انہوں نے

کھیرا اور مارچوبہ وغیرہ بھی اگالیا۔ جب سیاح امریکہ پہنچے تو انھوں نے وہاں ایسی بہت سی ترکاریاں دیکھیں جو یورپ میں نہیں ہوتیں۔ یہاں تک کہ یہاں کا مٹر بھی مختلف تھا۔ یہاں انہیں آلو، رتالو، مکئی، اور ٹماٹر ملے یہ سب یہیں کی پیداوار تھیں جس کو سیاح اپنے ساتھ یورپ لے گئے ان نئی سبزیوں میں سے کچھ انیسویں صدی تک مقبول نہ ہو سکیں۔

انیسویں صدی میں ہر قسم کی زراعت میں ایک انقلاب آیا۔ کسانوں نے زراعت کے لئے نئے طریقے استعمال کئے اور بہترین بیجوں کا انتخاب کیا اس طرح سبزیاں زیادہ بڑی، بہتر، مزیدار اور صحت بخش ہو گئیں اب ہم آپ کو کچھ پھلوں کے متعلق بتاتے ہیں کہ یہ سب سے پہلے کہاں پیدا ہوئے؟

نارنگی ـــــ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ چین میں تین ہزار سال قبل نارنگیاں موجود تھیں۔ نارنگی دو قسم کی ہوتی ہے میٹھی اور کھٹی۔ یورپ میں پہلے کھٹی نارنگیاں اگائی گئیں۔ اسے متعارف کرانے والے مور لوگ تھے جنھوں نے نویں صدی میں اسپین اور سیسلی پر حملہ کیا۔ گیارہویں صدی تک ان کے قدم مفتوحہ علاقوں میں اچھی طرح جم گئے تھے۔ انہوں نے یہاں کھٹی نارنگیاں کاشت کیں۔ پندرہویں صدی تک جنوبی یورپ میں وسیع پیمانے پر کھٹی نارنگی کاشت کی جاتی تھی پھر مشرق سے تجارت بڑھی تو میٹھی نارنگی بھی یورپ آگئی اگرچہ اب بھی کھٹی نارنگیاں کھائی اور اگائی جاتی ہیں لیکن اب زیادہ تر یہ میٹھی نارنگیوں کے لئے ذخیرہ کی جاتی ہیں۔

پہلے میٹھی نارنگی ایسی عیاشی تھی جو صرف امیروں کو نصیب تھی۔ بادشاہ اور امرا، بڑی قیمت ادا کر کے میٹھی نارنگیوں کے درخت اپنے باغوں میں لگواتے تھے۔ سرد ممالک میں یہ نازک درخت سردیوں میں ختم ہو سکتا ہے اس لئے نارنگیوں کے لئے خصوصی گرین ہاؤس بنائے گئے جہاں ٹبوں میں نارنگیاں کاشت کی جاتیں۔ گرمیوں میں ان کو باہر منتقل کر دیا جاتا لیکن سردیوں میں ان کو حفاظت سے شیشے کی دیواروں میں رکھا جاتا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جب کولمبس امریکہ گیا تو اپنے ساتھ نارنگی کے اور ترنج کے بیج لے گیا اور ان کو اس نے ہسپانیولا کے علاقے میں کاشت کیا۔ ترنج فلوریڈا میں خوب پھلا پھولا، انڈین نارنگی سفر میں چلتے ہوئے راہ میں گرا دیتے۔ اس طرح بہت سے جنگلی درخت اگ آئے۔ آج کل سب سے زیادہ نارنگیاں امریکہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ ریاست فلوریڈا میں بڑی تعداد میں میٹھی نارنگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اپنی شیرنی میں دوسری تمام ریاستوں اور ممالک کو مات کرتی ہیں۔

تربوز ـــــ کسی گرم دن میں ٹھنڈے رس بھرے تربوز سے مزیدار بھی کوئی چیز ہوتی ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان یہ پھل ہزاروں سالوں سے کھاتا چلا آرہا ہے۔ تربوز کا وطن افریقہ ہے اور یہ ہر اس جگہ خوب پھلتا پھولتا ہے جہاں موسم اور مٹی موافق ہو۔ قدیم سنسکرت میں تربوز کا لفظ ملتا ہے اور قدیم مصری تصویروں میں بھی تربوز نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ چار ہزار سال سے اس کی

کاشت ہو رہی ہے۔ تربوز کی سینکڑوں اقسام ہے اور یہ میٹھا خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کھیرے کی طرح اس میں بھی کھانپیں اور بیج اور گھنٹی کی شکل کے پھول ہوتے ہیں۔

خوشبودار تربوز جنوبی ایشیا میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں مشک کی سی بھینی بھینی خوشبو آتی ہے۔ شہد کے رس والے تربوز سب سے آخر میں پکتے ہیں اور دوسرے تربوزوں سے زیادہ دیر تک محفوظ رہتے ہیں۔ کسابا تربوز زردی مائل سبز ہوتے ہیں اور ان کا ذائقہ بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ بعض تربوز بیس بیس کلووزنی بھی ہوتے ہیں ان کی سطح سخت اور سبز ہوتی ہے۔ اندرونی حصہ گلابی یا سرخ ہوتا ہے۔ تربوز کو گرم موسم اور زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ ان کو اس وقت کاشت کیا جاتا ہے جب کیڑے کا ڈر نہ ہو۔ تربوز عموماً تازہ کھائے جاتے ہیں لیکن ان کا اچار بنا کر بھی محفوظ کیا جاتا ہے، مشرقی ممالک میں ان کے بیج بھی میوے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

زیتون ـــــ زیتون کا اصلی گھر جنوب مغربی ایشیا ہے۔ صدیوں سے یہ پھل انسانوں کو خوراک فراہم کر رہا ہے اور لوگ قافلوں میں اسے لے کر سفر کرتے ہیں۔ زیتون کے متعلق ایک خاص بات یہ ہے کہ اسے تازہ تازہ درخت سے اتار کر نہیں کھایا جا سکتا اس کی تلخی اچار بنانے سے دور ہوتی ہے۔ قدیم لوگوں میں زیتون کا تیل بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ بادشاہ اپنی امارت کا اندازہ اپنے ذخیروں میں رکھے ہوئے زیتون کے تیل کے مرتبانوں سے لگایا کرتے۔ کریٹ کے چھوٹے

اقوال زریں

جو شخص تم سے دوسروں کی برائی کرتا ہے وہ یقیناً دوسروں سے تمہاری برائی بھی کرتا ہوگا۔
(امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ)

زیادہ قسمیں کھانے والا زیادہ جھوٹ بولتا ہے۔
(مولانا روم)

سے جزیرے پر دو ہزار سال قبل مسیح کے ایک زیتون کے ذخیرے کی دریافت ہوئی۔

زیتون بحیرہ روم کے تمام ممالک میں پایا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں شمالی افریقہ کے صحرا بھی زیتون سے بھرے پڑے تھے۔کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں ایک شخص مکہ سے مراکش تک زیتون، کھجور، اور انجیر کے درختوں کے سائے میں سفر کر سکتا ہے۔ اسپین کے لوگ زیتون کو امریکہ لائے۔ انہوں نے ان کی کاشت فلوریڈا میں کی جہاں موسم گرم خشک ہوتا ہے۔ آج زیتون فلوریڈا کی سب سے اہم پیداوار ہے۔ لیکن سرفہرست اب بھی اسپین اور اٹلی ہیں۔ زیتون بیج سے بھی پیدا ہوتا ہے اور کاٹ کر اس کی قلم بھی لگائی جا سکتی ہے۔ قلم نئے پودے کے تنے کو کہتے ہیں۔ زیتون کے درخت کی عمر طویل ہوتی ہے۔ گیتھسمین کے باغ میں جو زیتون کی پہاڑیوں پر واقع ہے دو ہزار سال پرانے زیتون کے درخت ہیں اگرچہ ان کے تنے پرانے نہیں ہیں بلکہ یہ وہ تنے ہیں جو ان کی بنیادوں سے اگے ہیں۔

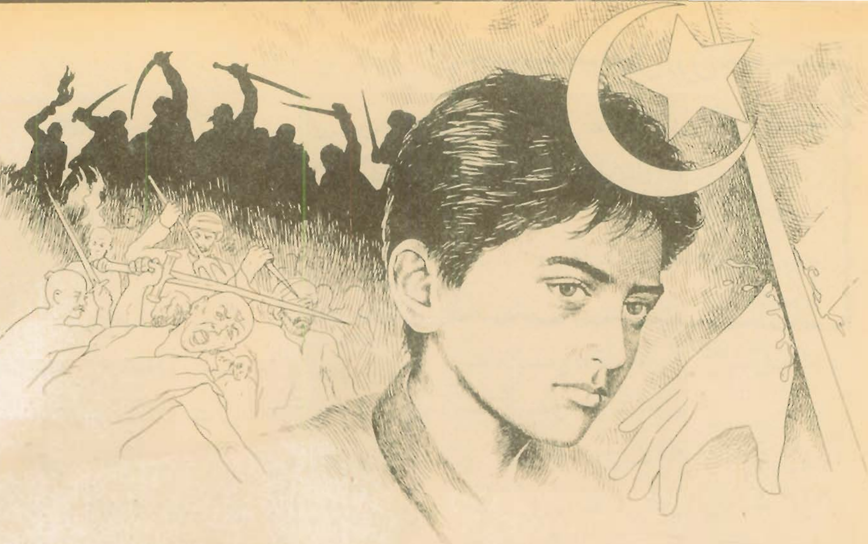

جسے اللہ رکھے

جنید حفیظ

"بچو! تم نے پوچھا ہے کہ میرا ہاتھ کیسے کٹا؟ یہ بات ۱۹۴۷ء کی ہے کہ جب حضرت قائداعظم نے آل انڈیا ریڈیو سے پاکستان کے وجود میں آنے کا اعلان کیا۔ ان کا اعلان کرنا تھا کہ سارے ہندوستان میں فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ ہندو نہیں چاہتا تھا کہ پاکستان بنے وہ اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہا تھا اور مسلمانوں کو غلام بنانا چاہتا تھا۔ خیر ۱۴ اگست بروز جمعرات ۱۹۴۷ء، ۲۷ رمضان المبارک کو پاکستان دنیا کے نقشے میں نمایاں طور پر اجاگر ہوگیا ہندو سکھ آگ بگولا ہوگئے مسلمانوں کے خون سے کھیلنے لگے۔ میں ان دنوں تمہاری عمر کا بچہ تھا یعنی تقریباً" نو یا دس سال کا ہوں گا اور چھٹی جماعت کا طالب علم تھا۔ میرے ماں باپ غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ تمام ہندو سکھ جو اس محلے میں رہتے تھے بڑی عزت کرتے تھے۔ یہ غالباً" ۶ یا ۷ اگست ۱۹۴۷ء کی بات ہے کہ جب میں ناشتہ کرکے اسکول گیا۔ اسکول میں ہندو اور سکھ طلبا نے ایک ہنگامہ کیا ہوا تھا وہ چن چن کر مسلمان طالب علموں کو مار رہے تھے۔ میں یہ منظر دیکھ کر گھبرا گیا۔ اتنے میں میرا ایک مسلمان دوست خون میں لت پت آیا اور کہنے لگا۔" فوراً" یہاں سے بھاگ چلو" میں اس

کو سہارا دیتے ہوئے اسے اس کے گھر کی طرف لے چلا۔اس کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ اس کے ماں باپ بہن بھائی سب کے سب خون میں لت پت پڑے آخری سانس لے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میرا دوست جو بہت زیادہ زخمی تھا زمین پر گر پڑا اور دم توڑ دیا۔ بچو! میں بھی بچہ تھا یہ مناظر دیکھ کر خوف طاری ہو گیا اور سیدھا اپنے گھر کی جانب دوڑا۔ راستہ میں جگہ جگہ مسلمانوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ہندو بم اور سکھ تلواروں کا آزادانہ استعمال کر رہے تھے۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ میں نے بستہ کتابیں فوری ایک جانب پھینک دیں' کالی روشنائی سے اپنے ماتھے پر ہندی میں رام .... لکھ لیا۔ سکھ ہندو ملتے رہے مگر مجھے کچھ نہیں کہا۔ جب میں اپنے گھر پہنچا تو میرا گھر لٹ چکا تھا۔ ماں باپ کا کچھ پتہ نہ تھا۔ یا اللہ اب میں کیا کروں' کہاں جاؤں' فوری طور پر اپنے چچا کے گھر دوڑ پڑا۔ وہاں کا خونی منظر دیکھ کر اسٹیشن کی جانب چل دیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ سینکڑوں مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں ٹرین کی آمد کے منتظر ہیں۔ میں اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کو تلاش کرنے لگا مگر وہ نظر نہ آئے۔ تھوڑی دیر بعد ٹرین آئی' اس میں جگہ نہ تھی مگر لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح چڑھنے لگے۔ میں بھی چڑھنے لگا تو پیچھے سے ایک آدمی نے گھسیٹ لیا اور کہنے لگا۔" پگلے ان مسلوں کے ساتھ کہاں جارہا ہے۔ شاید تیرے ماتا پیتا نے اس لئے تیرے ماتھے پر رام لکھا ہے۔ تاکہ فسادی تجھے نقصان نہ پہنچائیں۔ کیا نام ہے تیرا؟" میں گم سم اس کا چہرہ تکنے لگا۔ اس نے پھر پوچھا "کیا نام ہے تیرا" میرے منہ سے اچانک نکل گیا۔ "رام داس" وہ پیار کرنے لگا۔ "کہاں رہتے ہو؟" "میرٹھ شہر۔" "یہاں دہلی میں کیسے آئے؟" اچانک منہ سے نکلا۔ "مسلوں نے میرے ماں باپ کو مار دیا ہے۔ میں ڈر سے بھاگ آیا ہوں۔" "یہاں دہلی میں کون ہے تمہارا؟" اب میں نے ذرا سنبھل کر سفید جھوٹ بولا۔ "میرا ماما پنڈت پرشوتم داس"۔

"پرشوتم داس......!"

"تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟"

میں نے روتے ہوئے کہا۔ "پنڈت امرناتھ۔"

"ماں کا نام؟" اس آدمی نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"لکشمی۔" میں نے اور زیادہ زور سے روتے ہوئے سفید جھوٹ بولا۔

"اف ایشور یہ کیا ہو گیا" اور وہ بھی رونے لگا۔ پھر اس نے پیار سے مجھ سے کہا۔ "بیٹے میں ہی تمہارا ماما پنڈت پرشوتم داس ہوں۔" اور مجھے گلے سے لگا کر خوب رویا۔ اور بڑبڑایا" بھگوان یہ

کیسا فساد ہے، ہندو مسلمان آپس میں دشمن بن گئے ہیں۔"

پنڈت پرشوتم داس مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اور اس نے میرا تعارف کرایا کہ یہ رام داس میری بہن کا بیٹا ہے۔ اسٹیشن پر مسلوں کے ساتھ جارہا تھا کہ میری نظر پڑگئی۔ اس کی زبانی پتا چلا کہ مسلوں نے بہن لکشمی اور بھائی امرناتھ کو مار دیا ہے۔ پھر دونوں میاں بیوی دیر تک روتے رہے اور مجھے پیار کرتے رہے۔

شاید وہ بے اولاد تھے۔ مجھے بڑے لاڈ اور پیار سے پال رہے تھے۔ اور ادھر میں وہاں سے بھاگنے کے چکر میں تھا۔ دو تین روز بعد غالباً" پنڈت جی کے یہاں کوئی فنکشن تھا، بہت سے لوگ آئے۔ ان میں ایک آدمی پر نظر پڑی جو ہمارے اسکول میں ہندی کا ٹیچر تھا۔ اس کو دیکھتے ہی میں وہاں سے بھاگ گیا اور سیدھا اسٹیشن پہنچا۔ اتفاق سے ٹرین کھڑی ہوئی تھی اور کچھا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ایک آدمی نے مجھے اوپر ٹرین پر چڑھا دیا اور ٹرین چل پڑی۔ رات کے تقریباً" دو تین بجے ہوں گے کہ ٹرین ایک جھٹکے سے رکی اور کہرام مچ گیا۔ ہندو سکھ خون کی ہولی کھیل رہے تھے۔ مسلمان مولی گاجر کی طرح کٹ رہے تھے۔ میں ڈر کے مارے سیٹ کے نیچے چھپ گیا۔ اندھیرا گھپ تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔

کافی دیر بعد میں نے ہاتھ باہر نکال کر ٹٹولنا چاہا کہ یکدم کسی نے میرے ہاتھ پر تلوار ماری اور میں بےہوش ہوگیا۔ جب آنکھ کھلی تو میں ایک اسپتال میں تھا۔ پتا چلا کہ یہ اسپتال جالندھر شہر کا ہے۔ میرا ہاتھ کٹ چکا تھا۔ پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ایک ڈاکٹر نے بڑے رحم دل انداز میں پیار کیا اور نام پوچھا۔ میں گونگا بن گیا۔ اور ہاتھ کے اشارے سے بات کرنے لگا۔ ڈاکٹر اور نرسیں فسادیوں کو بُرا بھلا کہنے لگیں۔ ایک ماہ بعد میری حالت صحیح ہوئی تو ڈاکٹر نے مجھے چھٹی دے دی۔ اب میں کہاں جاؤں۔ اشارے سے ڈاکٹر کو کہا کہ میرا کوئی نہیں ہے میں کہاں جاؤں۔ اس پر ڈاکٹر نے کہا کیا تم پاکستان جانا چاہتے ہو۔

میں نے خوشی سے سر ہلا دیا۔

یوں پھر ایک دن ڈاکٹر صاحب نے ایک قافلہ کے ہمراہ مجھے پاکستان روانہ کردیا۔

یہ میری خوش قسمتی کہ لاہور اسٹیشن پر میں جوں ہی دوسرے لوگوں کے ساتھ کیمپ کی جانب جانے لگا میری نگاہ میرے ابو پر پڑ گئی۔ وہ اسی دن کراچی جارہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ابو بہت خوش ہوئے۔ سیدھے کراچی جانے والی ٹرین میں گئے۔ وہاں پر میری امی اور بہن بھائی بھی موجود تھے۔ اس طرح سے میں پاکستان پہنچا۔ سچ ہے جسے اللہ رکھے اور اسے کون چکھے۔

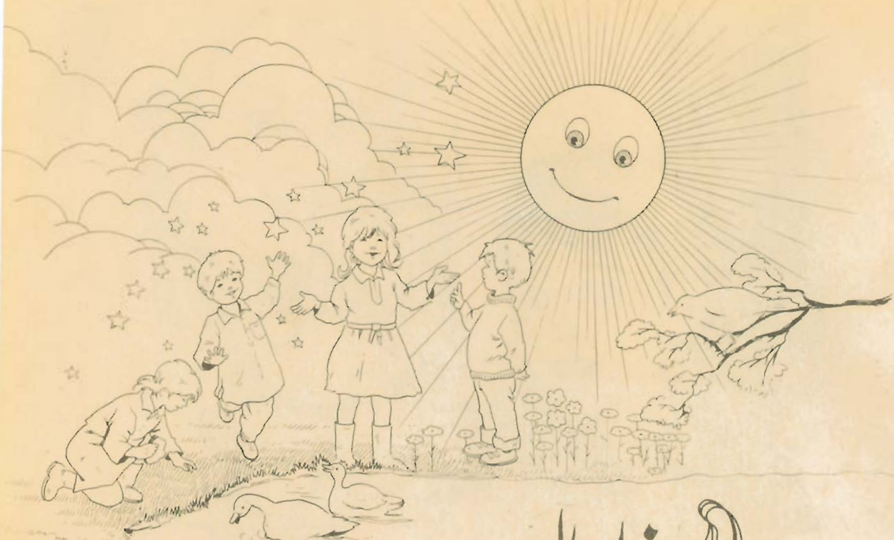

نیا سال

شبنم حمیدی

لے کر نئی امید پھر آیا ہے نیا سال
اللہ رکھے سب کو نئے سال میں خوشحال

دہراؤ نہ ماضی کے وہ بے رنگ فسانے
واپس کبھی آتے نہیں پھر گزرے زمانے

ہر پل ہے نیا پل، سبھی لمحات نئے ہیں
ہر دھن ہے نئی دھن، سبھی نغمات نئے ہیں

پھولوں میں ہے موجود جو مہکار نئی ہے
بدلے ہوئے حالات کی رفتار نئی ہے

سینوں میں مچلتے ہوئے جذبات نئے ہیں
موسم ہے نیا اور یہ دن رات نئے ہیں

جو تلخ ہیں ایسی سبھی یادوں کو بھلا دو
بہتر ہے کہ بیتی ہوئی باتوں کو بھلادو

سوچا ہے کبھی تم نے کہ ہم کیوں ہوئے پامال
ہر سال کئے ہم نے ہمیشہ بُرے اعمال

جو ہم نے کیا عہد، ہمیں راس نہ آیا
اچھائی کا ہر عہد ہراک سال بھلایا

آؤ یہ کریں عہد کہ ہم نیک بنیں گے
ہم ایک تھے، ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے

کیچپ کی ایک بوتل

فرزانہ روحی

معاشرتی علوم کا ٹیسٹ ہو رہا تھا۔

کلاس میں مکمل خاموشی تھی۔

بس کسی کسی وقت اِدھر اُدھر سے کسی بچے کے کھانسنے چھینکنے کی آواز آجاتی۔ قطار در قطار ڈیسکوں پر بیٹھے ہوئے بچے اپنی اپنی کاپیوں پر جھکے سوالات حل کر رہے تھے۔ "پتہ نہیں یہ سارے لڑکے اتنا کیا لکھ رہے ہیں"۔ مومی نے اپنے دائیں بائیں بیٹھے لڑکوں کو مستقل روانی سے لکھتے ہوئے دیکھ کر سوچا۔

"مومی! آپ کیا چاروں طرف دیکھ رہے ہیں۔ اپنا لکھیے (Answer) نہیں آرہا؟ ذہن پر زور ڈالئے۔ جو کچھ دماغ میں موجود ہے وہی لکھ دیجیے"۔

مس کی یہ بات سن کر مومی کو وہ سب چیزیں یاد آگئیں جو ایک ہفتے سے اس کے ذہن میں کلبلا رہی تھیں۔

دو ٹوسٹ،

دو ابلے ہوئے انڈے،

ایک کپ چائے'

اور..... اگر کیچپ کی ایک بوتل مل جائے ..... تو مزہ آجائے- کیچپ کی بوتل کے خیال کے ساتھ ہی وہ اپنے منہ میں آئے کھٹے میٹھے پانی کو نگلنے لگا-

کیا میں یہی لکھ دوں- میرے دماغ میں تو یہی چیزیں ہیں- مس کی بات اس کے کانوں میں گونجنے لگی-"جو ذہن میں ہے وہی لکھ دیجئے"-

دو ٹوسٹ

دو ابلے ہوئے انڈے

ایک کپ چائے ..... اور ...... اور کیچپ کی ایک..... صرف ایک بوتل-

اس نے کاپی پر لکھنے کے بعد دوبارہ پڑھا- تیسری مرتبہ.....چوتھی مرتبہ بھی پڑھا-

پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ امتحان ہال کے ڈیسک پر نہیں بلکہ کھانے کی میز پر بیٹھا ہے اور اس کی خوبصورت پلیٹ میں دو ٹوسٹ' دو ابلے انڈے' ایک کپ چائے موجود ہے جبکہ کیچپ کی بوتل اس کے ہاتھوں میں ہے- "آیا" کیچپ- اس نے بوتل کو دونوں ہاتھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑلیا اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے کیچپ چاٹ رہا ہو- پھر اس نے کیچپ کی بوتل کو منہ سے لگالیا- دونوں آنکھیں میچے وہ مسلسل کیچپ چاٹ رہا تھا کہ یکایک اس آواز پر چونک پڑا-

"مومی کیا ہورہا ہے- منہ سے پینسل نکالیں"- اس کے بعد مس کھٹ کھٹ کرتی ہوئی آئیں اور اس سے پینسل چھین لی-

"اوہ ..... کیچپ ..... کیچپ"- وہ ہاتھ بڑھا کر کیچپ مانگ رہا تھا-

اسے ابھی تک اس کیچپ کا مزہ یاد تھا جو محلے کے وکیل صاحب کے گھر اس نے ایک دن کھایا تھا- وکیل صاحب کا بیٹا میز پر سب چیزیں سجائے کھانے میں مگن تھا اور وہ اسی وقت اپنی امی کے ساتھ وہاں کسی کام سے پہنچ گیا تھا- اسے بھی وکیل صاحب کی بیگم نے ٹوسٹ پر کیچپ لگا کر کھانے کے لئے دیا تھا- اس کے بعد سے ہی اس کا دل کیچپ میں اٹکا ہوا تھا-

اب تک مس اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں- انہوں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر چیک کیا- "مومی کہیں تمہیں بخار تو نہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟"

مس مومی کو وہاں سے اٹھا کر لے گئیں- اور ایک الگ بنچ پر آرام سے لٹادیا- اس کے بعد کیا ہوا اسے کچھ پتہ نہیں-

دوسرے دن جب وہ اسکول آیا تو اسے لڑکوں کے سامنے بہت شرمندگی اٹھانی پڑرہی تھی- لڑکے طرح طرح کے سوالات پوچھ رہے

تھے۔ ایک لڑکے نے تو یہاں تک کہہ دیا۔ "مومی ڈرپوک ٹیسٹ سے ڈر گیا"۔

جس مس نے اس سے کیچپ کی بوتل چھینی تھی۔ ان کی باتیں سن کر وہ بہت گھبرایا اور شرمندہ بھی ہوا۔ وہ مس دوسری مس سے کہہ رہی تھیں۔ "اس کا دماغ کمزور ہے۔ اس لئے ٹیسٹ کے پیپر دیکھ کر الٹی سیدھی باتیں کررہا تھا"۔ مومی کو سب کی باتوں سے تکلیف پہنچ رہی تھی۔ ایک بچہ دوسرے کے کان میں زور زور سے کہہ رہا تھا۔ "کل مومی پینسل کے ربڑ کو کیچپ سمجھ کر کھا رہا تھا۔ ہاہا۔ پاگل"۔

پتہ نہیں یہ سب کچھ کیسے ہوگیا۔ مومی خود بھی اپنی حرکت پر شرمسار تھا۔ ہاف ٹائم کے وقت وہ مارے شرم کے کلاس روم سے آخر میں نکلا اور دیوار کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا گیٹ کی جانب بڑھنے لگا۔

"شکر ہے سب چلے گئے"۔ مومی نے جھکی نظریں اٹھا کر ادھر ادھر نظر دیکھنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔ سامنے سے مس صاعقہ اسی کی جانب آرہی تھیں۔ اس نے سر جھکا کر سوچا۔ ضرور مس صاعقہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ پوچھیں گی۔

"مومی"! مس نے اسے آہستہ سے آواز دی۔ لیکن وہ چپ کھڑا رہا۔ مس صاعقہ ڈرائنگ ٹیچر تھیں۔ وہ اکثر ان کی تصویر بنانے کی کوشش کرتا تھا کیوں کہ اسے لگتا تھا جیسے مس صاعقہ کوئی گڑیا ہوں جو ہنستی بولتی، چلتی پھرتی رہتی ہیں۔

اس نے نظریں ترچھی کرکے دیکھا تو مس قدرے فاصلے پر کھڑی اسے اشارے سے بلا رہی تھیں۔

وہ ہلکے ہلکے قدموں سے کچھ شرمندہ کچھ خوفزدہ مس کی جانب بڑھنے لگا۔ مس نے اس کی انگلی پکڑی اور ایک طرف تیزی سے چل پڑیں۔ اور ایک کمرے میں جاکر بیٹھ گئیں۔

ارے یہ کیا۔ سامنے میز پر دو ٹوسٹ، دو ابلے انڈے، چائے کی کیتلی اور کیچپ کی ایک بوتل رکھی تھی۔ جس میں سرخ سرخ کیچپ نظر آرہے تھے۔ مس کرسی پر بیٹھ چکی تھیں۔ مگر وہ کھڑا دیکھ رہا تھا۔ مس نے کیتلی سے چائے کپ میں انڈیلی اور اسے بیٹھنے کا کہہ کر چائے کا کپ اس کی جانب بڑھادیا۔

"کھاؤ مومی یہ سب تمہارے لئے ہے۔ یہ انڈے میری مرغی کے ہیں۔ بہت پیاری مرغی ہے کالے کالے چمکیلے پروں والی۔ میں نے اسے پال پوس کر بڑا کیا ہے۔

"اور مس یہ کیچپ ہے"۔ اسے مرغی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے جلدی سے بیٹھتے ہوئے

کیچپ کے متعلق پوچھا- اور کیچپ کی بوتل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑلیا- "یہ تمہارے لئے ہے- پوری بوتل تمہاری ہے- مزے سے کھاؤ اور باقی بیگ میں رکھ لینا" وہ ٹوسٹ میں کیچپ لگا کر کھانے لگا-

ٹن ٹن ٹن ٹن-

گھنٹی بج رہی تھی- ہاف ٹائم کا وقفہ ختم ہو چکا تھا-

"ابھی تو ایک انڈا رہ گیا ہے-" مس نے اسے جلدی جلدی کھاتا دیکھ کر کہا- "یہ انڈا اور کیچپ کی بوتل بیگ میں رکھ لو گھر جاکر کھالینا' اب چائے پی لو- ٹھنڈی ہو رہی ہے-" اس نے جلدی جلدی ابلا ہوا انڈا اور کیچپ بیگ میں ڈالا اور غٹاغٹ چائے پی کر بستہ احتیاط سے اٹھا کر کلاس روم کی طرف بھاگا-

"مومی .... لالچی ..... مس کا لنچ کھا رہا تھا"- ایک بچے نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا-

"لالچی!؟ میں لالچی کیسے ہو گیا- مس سے میں نے کچھ مانگا تو نہیں تھا-" مومی نے اس لڑکے کو فوراً جواب دیا- "اور تو کوئی بچہ مس کے ساتھ نہیں کھاتا"-

لڑکے کا جواب ٹھیک ہی تھا- کبھی بھی بچے نے مس کے ساتھ بیٹھ کر چائے نہیں پی تھی-

مومی سوچنے لگا- "ہاں..... یہ بات ہے کہ مس کو کیسے پتہ چلا کہ مجھے ابلے ہوئے انڈے' ٹوسٹ' چائے اور کیچپ پسند ہیں-

"کیا مس نے میری کاپی ...." جب اسے سب کچھ یاد آگیا تو بڑی شرم محسوس ہونے لگی-

"شاید میں نے اچھا نہیں کیا!" کلاس روم میں بیٹھا وہ سوچتا رہا-

کیچپ کی بوتل اور ابلا ہوا انڈا ابھی تک اس کے بیگ میں موجود تھا- چھٹی کے بعد اس نے گھر پہنچ کر بیگ کھولا' لیکن ٹھہر گیا- "ابھی نہیں کل صبح ناشتے میں انڈا اور کیچپ کھاؤں گا- چائے اور پراٹھا تو امی دیتی ہی ہیں- آہا' بڑا مزہ آئے گا- وہ منہ میں آئے پانی کو نگلتے ہوئے جھومنے کے انداز میں خوشی سے سر کو جھٹکا دینے لگا- انڈا کیچپ اور چائے کے تصور میں ڈوبا جانے وہ کب سو گیا-

رات کے کسی پہر اس وقت اس کی آنکھ کھل گئی' جب ایک بچہ اس کے بیگ میں رکھے ابلے ہوئے انڈے اور کیچپ کی بوتل کی جانب بار بار ہاتھ بڑھا رہا تھا- اور اس کی ماں اسے منع کر رہی تھی- وہ عورت اسے اپنی ڈرائنگ ٹیچر مس صاعقہ کی طرح لگ رہی تھی- پسینے میں تر بتر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا- اس نے اپنی امی کو آواز دینی چاہی مگر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اس طرح اس کا ننھا بھائی اٹھ جائے گا جو امی کے پاس سو رہا تھا-

موی نے دوبارہ سونے کی کوشش کی مگر اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ کچھ سوچتا ہوا وہ اٹھا اور ڈبہ نکال لایا جس میں وہ پیسے بچا بچا کر جمع کیا کرتا تھا۔ اس نے پیسے گنے تو کل نو روپے نکلے۔

اس کے چہرے پر ہلکا سا اطمینان پھیل گیا۔ پھر وہ جاکر بستر پر لیٹ گیا۔ دوسری صبح اسکول پہنچ کر اس نے سب سے پہلے مس صاعقہ کو تلاش کیا۔ اور ابلا ہوا انڈا اور کیچپ کی بوتل انہیں واپس دیتا ہوا بولا۔ "مس یہ لے لیجئے"۔

"یہ سب تمہارا ہے۔ تم نے انڈا اب تک نہیں کھایا؟"

"مس آپ یہ واپس لے لیں .... میں نے سوچ لیا ہے"۔

"کیا سوچ لیا ہے؟" مس نے سوال کیا

"مس..... میں چوزے خریدوں گا"۔

"اچھا"۔ مس مسکرانے لگیں۔

"جی مس، وہ بڑے ہوں گے تو انڈے دیں گے۔ بہت سارے انڈے ہوا کریں گے تو میں انہیں دکاندار کو دے کر پیسے لے لوں گا پھر کیچپ خریدلوں گا"۔

اتنا پڑھ کر منور نے ڈائری بند کردی۔ اور سوچنے لگا۔ اگر کیچپ کی وہ بوتل اسے نہ ملتی تو آج وہ پولٹری کے اتنے بڑے کاروبار کا مالک نہ ہوتا۔

مفرّح و مقوّی قلب ہے

معدہ اور دماغ کو

طاقت بخشتا ہے

احمد کا

مُربّہ گاجر

بینائی میں طاقت

ذائقہ اور غذائیت

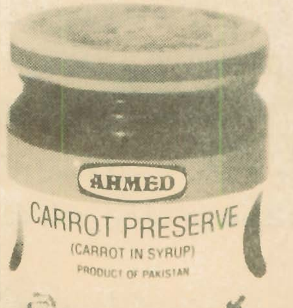

قرۃ العین طاہر

میں جنگل میں رہتی ہوں
میں جنگل کی شہزادی ہوں

دیکھیں کون جیتتا ہے

خونخوار مگرمچھوں کے سامنے

آج تمہاری خوراک یہی ہے

گرگٹ سے دوستی

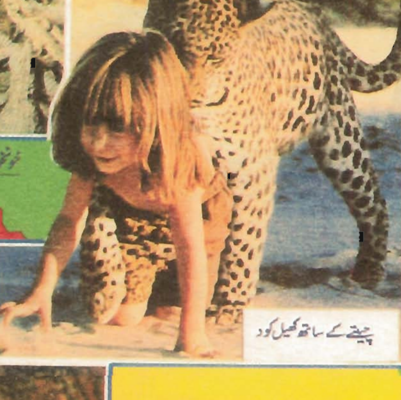

چیتے کے ساتھ کھیل کود

ہاتھی کے سامنے ہیں

ٹانگی ایک بھولے بھالے مینڈک کو پیار کر رہی ہے

ٹانگی بہت چھوٹی سی تھی جب ایک رات ریچھ اسے اٹھا کر جنگل میں لے گیا۔ ٹانگی وہیں پلی بڑھی اور ۔۔۔۔ یہ تصویریں دیکھ کر آپ کو کچھ ایسا ہی خیال آیا ہوگا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پانچ سالہ ٹانگی کے والدین فلم ساز ہیں اور فلمیں بناتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ٹانگی کو حیوانوں سے دوستی کرنے کا موقع دیا۔ وہ اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ کوئی جانور ان کی ننھی بچی کو نقصان نہ پہنچائے لیکن خود ٹانگی کو ان جانوروں سے بالکل بھی خوف نہیں آتا اور اسکی تصدیق تو ان تصویروں سے بھی ہوتی ہے۔ ہوتی ہے نا!!

خاندان گدھان

گدھوں پر ایک سنجیدہ مضمون

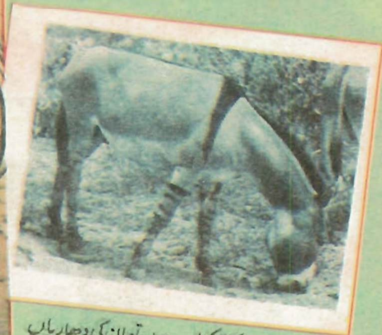

زیبرے جب اکٹھے کھڑے ہوں تو ان کی دھاریاں اس طرح مل جاتی ہیں کہ انہیں الگ پہچاننا مشکل ہوجاتا ہے۔

ایک غار سے ملنے والی بیس ہزار سال پرانی تصویر

چھوٹے قد کے گھوڑے

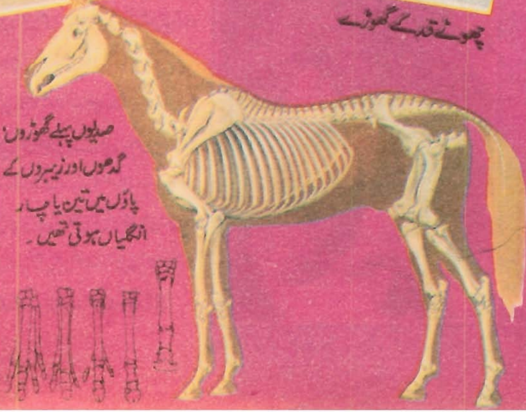

صدیوں پہلے گھوڑوں، گدھوں اور زیبروں کے پاؤں میں تین یا چار انگلیاں ہوتی تھیں۔

انگریزی میں ASS ایسے گدھے کو کہتے ہیں جو بالکل جنگلی ہو جبکہ (Donkey) وہ گدھے ہوتے ہیں جن میں انسانوں کے ساتھ رہ رہ کر کچھ انسانیت پیدا ہو گئی ہو۔ گدھوں کا خاندان بڑا وسیع ہے۔ گھوڑے، خچر، پونی اور زیبرے سب اس کے رشتے دار ہوتے ہیں۔ چار کروڑ سال پہلے سوائے براعظم آسٹریلیا کے، ساری دنیا میں گدھے پائے جاتے تھے۔ لیکن آج جنگلی گھوڑوں کی نسل تو بالکل ناپید ہو چکی ہے۔ جبکہ گدھے اور زیبرے صرف افریقہ اور ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے زمانے میں گھوڑے کے پاؤں میں چار انگلیاں ہوتی تھیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک کھر میں تبدیل ہو گئیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ تیز دوڑنے کے قابل ہو گیا۔ یہ تیز رفتاری حملہ آوروں سے جان بچانے میں اس کے بہت کام آتی ہے۔ ایشیائی گدھے بھی بہت تیز رفتار ہوتے ہیں۔ یہ پچاس کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتے ہیں جبکہ گھوڑے اور زیبروں کی رفتار چونسٹھ کلو میٹر فی گھنٹہ تک ہوتی ہے۔

دیکھنے میں سب زیبرے ایک سے لگتے ہیں مگر ایسا ہوتا نہیں۔ اپنے جسم کی دھاریوں کے حوالے سے یہ ایک دوسرے سے خاصے مختلف ہوتے ہیں۔ زیبرے اپنے اپنے گروپ بنا کر رہتے ہیں اور ہر گروپ میں ایک سی دھاریوں والے زیبرے رہتے ہیں۔ جب کسی درندے یا انسان کے حملے کے باعث یہ خوفزدہ ہو کر اپنی ٹولی سے بچھڑ جاتے ہیں تو دوبارہ اکٹھا ہونے میں انہیں کئی دن لگتے ہیں۔ یہ ان کے جسم کی دھاریاں ہی ہوتی ہیں جن کی وجہ سے یہ اپنی ٹولی کے ارکان کو پہچان لیتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دھاریاں انہیں دشمن جانوروں سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ ان کی مدد سے یہ جھاڑیوں اور گھنے درختوں میں آسانی سے روپوش ہو جاتے ہیں۔

جنگلی گھوڑوں اور زیبروں کی آپس میں پیغام رسانی اور بات چیت کا باقاعدہ نظام ہوتا ہے۔ وہ ہردم چوکنا رہتے ہیں اور سننے اور سونگھنے کی بہت تیز حس رکھتے ہیں۔ ان کی آواز بھی خاصی بلند ہوتی ہے اور دور تک سنائی دیتی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو بلانے کے لئے زور زور سے ہنہناتی ہیں۔ لڑائی کے دوران دونوں مقابل ایک دوسرے پر پھنکارتے اور زمین پر پاؤں مار مار کر اپنے غصے اور قوت کا اظہار کرتے ہیں۔ کسی تھکے ماندے گھوڑے کو کوئی چڑیا، مینا یا کوا وغیرہ تنگ کرے تو وہ زور سے نتھنوں سے آواز نکالتا ہے اور پرندہ ڈر کر اڑ جاتا ہے۔ خطرے کے اظہار اور اپنے ساتھیوں کو اس کی اطلاع دینے کے لئے بھی یہ

مختلف آوازوں اور جسم کی مختلف حرکات سے کام لیتے ہیں۔

یہ جانور عام طور پر گھاس کے کھلے میدانوں میں رہتے ہیں، گھاس، جنگلی جھاڑیاں، جڑی بوٹیاں اور درختوں کے پتے ان کی من پسند غذا ہے۔ گدھے، گھوڑے اور زیبرے ہر وقت کچھ نہ کچھ چرتے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گائے، بھینس، یا ہرن کی طرح ان کا معدہ بہت دیر تک غذا کو اپنے اندر نہیں رکھتا۔ بلکہ بہت تیزی سے ہضم کرتا اور خارج کرتا رہتا ہے۔ موسم کی تبدیلی ان کے لئے پریشان کن ہوتی ہے کیونکہ اس طرح ان کے لئے خوراک کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اور عین ممکن ہے کہ ان کی نسل ناپید یا کم یاب ہونے کی یہی وجہ ہو۔

انسانوں کی طرح ان جانوروں کا بھی ایک باقاعدہ خاندانی نظام ہوتا ہے ایک گروپ میں ایک نر گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری اپنی ماداؤں، بچوں اور بچیوں کی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔ عام طور پر یہ سربراہ اپنے خاندان کے پیچھے یا ایک طرف رہ کران کی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا ہے۔ خاندان کی سربراہی حاصل کرنے کے لئے ایک نوجوان گھوڑے یا زیبرے کو اپنی طاقت اور بہادری کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ پرانے سربراہ سے اس کی باقاعدہ جنگ ہوتی ہے اور اگر یہ کام ہوجائے تو ٹھیک ورنہ نئی جنگ کی تیاری کرنا ہوتی ہے۔ بعض نوجوان یہ جنگ جیتنے کے لئے اپنے جیسے دوسرے نوجوانوں کی مدد بھی حاصل کرتے ہیں۔

گھوڑی یا مادہ زیبرا گرمی کے موسم میں بچے دیتی ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے ایک گھنٹے کے بعد اپنے پیروں پر کھڑا ہونے اور بھاگنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ چند ہفتے کے بعد وہ گھاس پتے چرنے بھی شروع کردیتا ہے لیکن تیرہ ماہ کی عمر تک ماں کا دودھ پیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جانور ایک سال میں ایک ہی بچے کو جنم دیتے ہیں۔ جوان ہونے کے بعد یہ بچے اپنے الگ الگ گروہ بنالیتے ہیں یوں ان کی نسل آگے چلتی رہتی ہے۔ گھوڑوں اور گدھوں کو سدھانے اور اپنے کاموں کے لئے مفید بنانے میں تو انسان کو کامیابی حاصل ہوئی۔ مگر زیبرے صرف چڑیا گھر کی زینت بن سکے۔ ہزاروں سال سے گھوڑے انسان کی قوت اور شان و شوکت کی علامت رہے ہیں۔ یہ جنگوں میں اس کے بہترین رفیق رہے۔ گھوڑا خدمت اور وفاداری کی علامت ہے۔ یہ مالک کے لئے جان بھی دے دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں مل جل کر رہنے کی عادت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دوسرے مویشیوں کے ساتھ بھی گزارا کرلیتا ہے۔ گدھا بار برداری کے لئے استعمال ہوتا ہے،

پھر انسان نے ان کی باہم رشتہ داری سے جانوروں کی ایک نئی نسل خچر حاصل کی۔ گھوڑا خچر کا ماموں اور گدھا باپ ہوتا ہے۔ خچر میں ان دونوں کی خصوصیت پائی جاتی ہیں۔ وہ زیادہ جفاکش، محنتی اور مضبوط جسم کا مالک ہوتا ہے اور دور دراز کے علاقوں اور مشکل پہاڑی چڑھائیوں پر انسانوں اور سامان کو لے جانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

یورپ اور امریکہ وغیرہ میں اسی طرح کے اختلاط سے گھوڑوں کی کئی نسلیں حاصل کی گئی ہیں۔ وہاں ان جانوروں کی ناپید ہوتی ہوئی نسلوں کو بچانے کے لئے بھی بھرپور کوششیں ہورہی ہیں۔ ہمیں بھی اپنے ہاں پائے جانے والے جانوروں کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنی چاہئے۔ کیوں کہ ان جانوروں کو سب سے زیادہ خطرہ انسانوں ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ انسان ان کا گوشت اور خوب صورت کھال حاصل کرنے کے شوق میں ان کی نسلیں تباہ کرتا رہتا ہے۔ محض شوق پورا کرنے کے لئے کسی کو جان سے مار دینا تو کوئی انسانیت نہیں ہے ناں!

آنکھ مچولی

آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔
ہماری کاوشش آپ تک اور
آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے مُعاون

ہمارے مَددگار

صوبہ سندھ اور بلوچستان میں آنکھ مچولی کے ایجنٹ

محمد حسین برادرز ــــ کراچی ــــ ۲۲۴۱۲۶،
مہران نیوز ایجنسی ــــ حیدرآباد ــــ ۲۰۱۲۸
سلمان برادرز ــــ نوابشاہ ــــ ۲۲۱۴
ایم ایم ٹریڈرز ــــ کوئٹہ ــــ ۵۰۰۲،

خط و کتابت کے لیے
سرکولیشن مینجر
ماہنامہ آنکھ مچولی - ا- پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

نیکی کا باغ

حفیظ الرحمٰن احسن

جو کل رات اک خواب دیکھا عجب — سناتا ہوں میں اس کا احوال سب
جدھر دیکھتا تھا ادھر پھول تھے — کہ دو چار ہر شاخ پر پھول تھے
یہ اک باغ تھا، جانے کتنا بڑا — مری چار جانب تھا پھیلا ہوا
ادھر تتلیاں تھیں، ادھر تتلیاں — اُڑی پھری رہی تھیں یہاں اور وہاں
جہاں بھی پہنچتی تھی میری نظر — وہیں بیٹھ جاتی تھی وہ جھوم کر
میں حیران ہوکر کھڑا تھا وہاں — اچانک نظر آیا اک باغباں
بڑھا میری جانب مجھے دیکھ کر — پریشاں ہوا میں اسے دیکھ کر
وہ بولا نہ گھبراؤ میرے عزیز — پڑھے لکھے لگتے ہو اور باتمیز
تمہارا ہی یہ باغ ہے نوجواں — سجایا ہے خود تم نے یہ گلستاں
کہا میں نے حیران ہوکر اسے — یہ ممکن ہے کیسے، بتاؤ مجھے
"مرے ساتھ آؤ" یہ اس نے کہا — ذرا چل کے پھر مجھ سے کہنے لگا
اٹھاؤ نظر اور یہ دیکھو ہے کیا — یہاں نام کس کا ہے لکھا ہوا؟

جو دیکھا تو حیرت کی حد کچھ نہ تھی کہ تختی لگی تھی مرے نام کی!
بہت خوب صورت سا دروازہ تھا وہاں رک کے اس نے یہ مجھ سے کہا
تمہیں کچھ خبر ہے یہ کیونکر ہوا؟ حسیں باغ تم کو یہ کیسے ملا؟
بتاتا ہوں میں تم کو یہ راز سب
خدا کے کرم کی ہیں باتیں عجب
جو راہوں سے کانٹے ہٹاتے تھے تم فرشتوں کو بھی دل سے بھاتے تھے تم
تمہاری یہ عادت بہت خوب ہے خدا کو بہت ہی یہ محبوب ہے
جو راہوں سے کانٹے تھے تم نے چُنے وہی پھول آکر یہاں بن گئے
خوشی تم نے جو راہ گیروں کو دی وہی تتلیوں میں یہاں ڈھل گئی
مبارک ہو تم کو یہ سارا چمن یہ سارا چمن ہے تمہارا چمن!
اذاں جب مؤذن نے دی جاگ اٹھا
خدا کا کیا شکر میں نے ادا!

میرے دل میں رہو

عالیہ صلاح الدین

وڈیو گیم کھیلتے کھیلتے اچانک سراج نے اکتا کر وڈیو گیم ایک طرف پٹخ دیا اور سوچنے لگا "اب کیا کرنا چاہیئے؟" اچانک اسے ٹیلیفون کا خیال آیا۔ "کیوں نہ ٹیلی فون پر اپنے کسی دوست سے بات کی جائے۔" یہی سوچ کر سراج فون کے قریب آیا اور چونگہ اٹھا کر امتیاز کا نمبر گھما ڈالا کیوں کہ اسے اپنے اسی دوست کا نمبر یاد تھا۔ دوسری طرف دو تین گھنٹیاں بجنے کے بعد کسی نے فون اُٹھایا۔ سراج نے نمبر معلوم کرنے کے بعد کہا

"مجھے امتیاز سے بات کرنی ہے۔" لیکن دوسری طرف سے جواب ملا۔ "اس وقت امتیاز گھر پر نہیں ہے۔ اس کے لئے کوئی پیغام؟" مگر سراج امتیاز کے لئے پیغام کیا دیتا۔ اس نے تو امتیاز سے ایسے ہی گپ شپ لڑانے کے لئے فون کیا تھا۔ سراج نے اپنا نام بتا کر فون بند کردیا۔ فون بند کرنے کے بعد وہ بے مقصد پورے گھر میں اِدھر سے اُدھر سے پھرتا رہا پھر اپنے کمرے میں آکر سو گیا۔

اس کے پاپا ان دنوں اپنے کاروباری سلسلے میں امریکہ گئے ہوئے تھے۔ وہ اکثر اپنے کاروبار کے سلسلے میں باہر ہی رہا کرتے تھے۔ اس دفعہ ان کا امریکہ کا چار دن کا دورہ تھا اور اگلے روز ان کی واپسی ممکن تھی۔

سراج کے پاس ماں کے سوا دنیا کی ہر چیز موجود تھی اور سب سے بڑھ کر پاپا بھی اسے بے پناہ چاہتے تھے۔ اس کی ہر جائز ناجائز خواہش و فرمائش پوری کرتے۔ سراج کے منہ سے کوئی فرمائش بعد میں نکلتی۔ پاپا اس کی فرمائش پوری پہلے کرتے۔

دنیا کی ہر شے موجود ہونے کے باوجود سراج کا اپنے گھر میں دل نہیں لگتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گھر میں صرف تنہائی تھی۔ لے دے کے اس کے چند دوست تھے وہ بھی اسکول کی حد تک۔ فون پر ہی ان سے کچھ گپ شپ ہو جاتی تھی۔ پاپا اپنے کاروبار پر چلے جاتے تو باقی سارا وقت اسے اکیلے ہی کاٹنا پڑتا۔ گھر میں نوکروں کے سوا کوئی نہ تھا۔ نوکروں سے بھی سراج کتنی دیر اور کہاں تک باتیں کر سکتا تھا۔ ایک تنہائی تھی جو اس کی ساتھی تھی۔

وہ جب چھٹی جماعت میں تھا تو اس کی امی کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا امی جان کی طبیعت اچانک ہی خراب ہوئی اور چند ہی گھنٹوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ امی کے مرنے پر وہ بہت رویا۔ امی اس سے بہت پیار کرتی تھیں' اسے خود اسکول کے لئے تیار کراتیں' اس کی کاپی' کتابوں' یونیفارم' ٹفن باکس.... اس کی ایک ایک چیز کا خیال رکھتیں۔ امی کے زمانے میں اسے اپنا گھر ایک باغ کی طرح لگتا تھا جہاں خوشیوں کے رنگ برنگے پھول کھلتے جن پر خوشیوں کی دھنک بکھیرتی تتلیاں اُڑتی پھرتی تھیں لیکن امی جان کے مرنے کے بعد اس کے دل کے پھول مرجھا گئے تھے اور خوشیوں کی تتلیاں اس کے دل پر اپنے خوبصورت نقش چھوڑنے کے بعد کہیں کھو گئی تھیں کہاں کھو گئی تھیں یہ اسے معلوم نہ تھا "خوشیاں کہاں ملتی ہیں؟" کبھی کبھی وہ سوچا کرتا تھا۔ اس کے پاپا بھی یہی سوچتے تھے اور پھر اس کی تنہائی اور اُداسی دور کرنے کے لئے انہوں نے جلد ہی دوسری شادی کر لی۔

نئی امی بہت اچھی تھیں لیکن سراج کے لئے بہت بُری۔ بُری اس لئے تھیں کہ انہوں نے اس کی مرحومہ ماں کے حق کو اس سے چھیننے کی کوشش کی تھی۔ سراج نے انہیں دل سے قبول نہیں کیا تھا۔

"بھئی سراج! نئی امی آپ کو کیسی لگیں؟" پاپا نے شادی کے دوسرے دن ناشتے کی میز پر سراج سے پوچھا اور سراج نے چائے پیالی میں

انڈیلتے ہوئے دھیرے سے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم۔" پاپا اس کا یہ سرد مہر سا جواب سُن کر چونک گئے جب کہ نئی امی نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اصل میں شرمارہا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ اپنی کرسی سے اُٹھیں اور اس کے قریب آگئیں اتنے قریب کہ ان کے جسم پر لگی خوشبو سراج کو مدہوش کرنے لگی۔ انہوں نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی محبّت سے کہا۔ "بھئی! مجھے تو یہ شرمیلا سا بچہ بہت اچھا لگا۔ اب بہت جلد میری اس کے ساتھ دوستی ہو جائے گی۔" لیکن سراج کی نئی امی کے ساتھ دوستی نہ ہو سکی۔

پہلے دن جب نئی امی نے اس کے اسکول کے کپڑوں پر استری کی تو اس نے دھیرے سے کہا۔ "آپ کا بہت شکریہ! لیکن یہ نوکروں والے کام آپ پر اچھے نہیں لگتے۔" اتنا کہہ کر وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا اور نئی امی بھونچکا ہو کر اسے دیکھتی رہ گئیں۔

نئی امی اس کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی کوشش کرتیں لیکن وہ ان سے اُکھڑا اُکھڑا رہتا۔ حالاں کہ اس کے منع کرنے کے باوجود نئی امی اس کے اسکول کے کپڑوں کو پریس کرتیں، صبح خود اس کے لئے ناشتہ بناتیں، اس کا لنچ بکس تیار کرتیں اور اسے گیٹ تک خدا حافظ کہنے آتیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ سراج کے دل میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

سراج نے کبھی بھی ان کے ہاتھ کا لنچ نہیں لیا تھا۔ اسکول میں اپنا لنچ بکس وہ دوستوں میں تقسیم کر دیتا۔ دوست مزے لے لے کر اس کی نئی امی کے ہاتھ کا بنا ہوا لنچ کرتے اور کھانے کی خوب تعریفیں کرتے۔ کئی بار سراج کا جی چاہتا کہ وہ بھی اس میں سے کچھ چکھ لے لیکن پھر اس کے اندر کی انا آڑے آجاتی۔ "یار! تم اپنی امی کے ہاتھ کا لنچ کیوں نہیں کھاتے؟" اس کے دوست پوچھتے تو وہ بات ٹالنے کے لئے کہتا "اصل میں مجھے بازار کی چٹ پٹی چیزیں اچھی لگتی ہیں۔" حالانکہ بازار کی چیزیں اسے کبھی بھی پسند نہ تھی۔ لیکن وہ دوستوں کو دکھانے کے لئے بازار کی چیزیں کھاتا رہتا۔

آئے دن بازار کی بنی ہوئی چیزیں کھانے سے ایک روز سراج کی طبعیت خراب ہو گئی۔ اسکول سے آنے کے بعد اسے کافی اُلٹیاں ہوئیں۔ پھر کمزوری سے وہ بستر پر گر گیا، امی کو پتا چلا تو بھاگی بھاگی اس کے کمرے میں آئیں۔ وہ بستر پر نڈھال پڑا تھا۔ "کیا ہوا میرے چاند؟" انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سراج نے کمزوری کے باوجود ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ نئی امی نے اس کی اس حرکت کا بالکل بُرا نہ مانا۔ "کریم بتا رہا تھا کہ ابھی تم اُلٹیاں

کر رہے تھے کیا اسکول میں کوئی الا بلا چیز کھالی تھی..... بتاؤ بیٹا؟" وہ بڑے پیار سے پوچھ رہی تھیں۔

"میں آپ کو نہیں بتاؤں گا..... آپ میری امی نہیں ہیں..... آپ میری کچھ بھی نہیں ہیں۔" سراج نے پیٹ دباتے ہوئے کہا۔ اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی لیکن اس سے کہیں زیادہ تکلیف اس کی باتوں سے نئی امی کو پہنچ رہی تھی۔

"مجھے معلوم ہے بیٹا! تم مجھ سے نفرت کرتے ہو..... تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں..... لیکن میں ماں ہوں..... تمہاری ماں..... تم مجھے اپنا نہیں سمجھتے لیکن میں تمہیں اپنا سب کچھ سمجھتی ہوں..... میں تمہارے دکھ کو سمجھتی ہوں بیٹا..... تمہاری طرح لڑکپن میں میری امی بھی مجھے چھوڑ کر اللہ میاں کے پاس چلی گئی تھیں۔ میں نے بھی تمہاری طرح برسوں ماں کی شفقت و محبت کی کمی کا عذاب کاٹا ہے.....!!" اتنا کہہ کر نئی امی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں..... سراج کے پیٹ میں بہت تکلیف ہو رہی تھی لیکن وہ ساری تکلیف بھول کر نئی امی کی طرف حیران و پشیمان نظروں سے دیکھنے لگا۔ اسے اپنی تمام کوتاہیاں یاد آ رہی تھیں۔ نئی امی کے ساتھ ناروا سلوک، اپنے طنزیہ جملے اور اتنے بُرے سلوک کے باوجود نئی امی کا ہمیشہ اچھا سلوک۔ اسے کیا معلوم تھا کہ نئی امی بھی اسی کی طرح تنہائی کا عذاب جھیل کر آئی ہیں۔ بہت سارے آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہنے لگے۔ جھوٹی نفرت کی برف کا بت اس کے اندر تیزی سے پگھلنے لگا اور جب ساری برف پگھل گئی تو اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "مجھے معاف کر دیجئے گا اب میں آپ کو کبھی دُکھ نہیں پہنچاؤں گا۔ میں اکیلا ہوں بہت اکیلا..... مجھے معاف کر کے بس تھوڑی سی جگہ دے دیجئے اپنے دل میں، میں اس گھر میں نہیں آپ کے دل میں رہنا چاہتا ہوں آپ کے دل میں.....!!"

سراج رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ نئی امی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر انہوں نے اپنے دوپٹے سے سراج کے آنسو پونچھ ڈالے اور اس کے معافی مانگتے ہوئے ہاتھ چُوم لئے۔

"میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوئی میری جان! تم ہمیشہ میرے دل میں رہے ہو..... مجھے بھی تمہاری طرح جگہ چاہئے تھوڑی سی..... تمہارے دل میں..... دو گے جگہ مجھے؟" نئی امی سراج کی ٹھوڑی اوپر کرتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھ رہی تھیں "میری امی جان!" سراج نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ نئی امی کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر سراج کو اپنی مہربان بانہوں میں سمیٹ لیا.....!!

تحفہ وہ جو یاد رہے

تحفہ دینا اظہارِ الفت بھی ہے، باعثِ محبت بھی اور نبیؐ کی سنت بھی

تحفہ
آپ کے خلوص کا اظہار اور آپ کے ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے

اپنے دوستوں اور پیاروں کو سالگرہ کا تحفہ دیجیے۔ مگر ایسا جو سال بھر یاد رہے

آنکھ مچولی ایسا ہی تحفہ ہے

آپ ہمیں اپنے دوست کا نام، مکمل پتہ، سالگرہ کا دن اور 280 روپے کا منی آرڈر روانہ کیجیے۔ ہم ایک خوب صورت مبارک باد کا کارڈ اور سال بھر کے لیے آنکھ مچولی آپ کے دوست کو بھجواتے رہیں گے۔ ماہ بہ ماہ تازہ شمارہ آپ کے دوست کو آپ کی محبتوں کی یاد دلاتا رہے گا۔

یاد رہے کہ آنکھ مچولی کے دس عام اور دو خاص شماروں کی سالانہ قیمت معہ رجسٹرڈ ڈاک خرچ 444 روپے بنتی ہے۔ مگر خصوصی تحفہ اسکیم کے لیے صرف 280 روپے

اِس رعایت سے آج ھی فائدہ اُٹھائیے

منی آرڈر فارم پر نام اور پتہ مفصل لکھیے:
مشرقِ وسطیٰ کے لیے 650 روپے
امریکہ اور یورپ کے لیے 830 روپے

سستا اور انوکھا سالگرہ کا تحفہ

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کیجیے

سرکولیشن مینجر: ماہنامہ آنکھ مچولی ایچ آئی بی کالونی کراچی

مشہور کرکٹروں کی شرارتیں

تحریر:۔ سلیم خالق

عمران خان:۔ قومی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان عمران خان بچپن میں خاصے سنجیدہ اور بردبار طبیعت کے مالک تھے۔ لیکن ایک دفعہ ایسا ہوا کہ عمران اور ان کے گھر کے دوسرے بچے سیڑھیوں سے چھلانگیں لگا رہے تھے جب عمران کی چھلانگ لگانے کی باری آئی تو انہوں نے دوسروں پر رعب ڈالنے کے لئے چھت پر چڑھ کر آخری سیڑھی سے چھلانگ لگا دی جس سے ان کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ اس طرح عمران کو یہ شرارت بہت مہنگی پڑی۔

وسیم اکرم:۔ قومی کرکٹ ٹیم کے موجودہ کپتان وسیم اکرم بچپن میں خاصے شرارتی تھے۔ اسکول میں وسیم اور دوسرے آٹھ دس لڑکوں کا گروپ تھا جس سے پورا اسکول تنگ تھا۔ ایک دفعہ ان کے دوستوں نے نہر پر نہانے کا پروگرام بنایا۔ وسیم بھی اس میں شریک تھے۔ وسیم اور ان کے دوست وہاں خوب شرارتیں کرتے رہے۔ اس چکر میں دیر ہو گئی۔ جب وسیم گھر نہ پہنچے تو گھر والوں کو تشویش ہوئی اور وسیم کے بڑے بھائی ان کو ڈھونڈنے نکلے۔ انہوں نے بس اسٹاپ پر وسیم

کو دیکھ لیا اور ان کے سامان کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ نہر سے ہو کر آئے ہیں۔ پھر وسیم کے بھائی نے وہیں بس اسٹاپ پر ان کی خوب پٹائی کی۔

شعیب محمد:۔ شعیب محمد ایک میچ کھیل رہے تھے۔ میچ میں جب شعیب بیٹنگ کر رہے تھے تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ بولر بولنگ کے نشان پر پہنچ کر اپنا رن اپ بھول جاتا تھا۔ اس صورت حال سے شعیب کو بہت غصّہ آیا اور ایک دفعہ جب بولر بولنگ کرنے کے نشان پر پہنچا تو اچانک شعیب نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اور گلوز، اتار کر رکھے اور امپائر سے کہا کہ آپ کے پاس کنگھا ہو گا۔ امپائر نے انہیں کنگھا دے دیا۔ پھر شعیب نے آرام سے کنگھا کر کے امپائر کو واپس کر دیا۔ اور پھر کھیلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ پہلے تو یہ شرارت لوگوں کو سمجھ نہ آئی۔ لیکن جب لوگ سمجھے تو شعیب کی اس شرارت سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

باسط علی:۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم کے نئے اسٹار باسط علی بچپن میں خاصے شرارتی تھے۔ باسط جس بلڈنگ میں رہتے تھے۔ اس کا چوکیدار رات کو عمارت کے صحن میں سوتا تھا۔ ایک دفعہ باسط اور ان کے دوستوں نے رات کے وقت چوکیدار کی چارپائی اٹھائی اور باہر گلی میں رکھ دی۔ اور چھپ کر دیکھنے لگے کہ اب کیا ہوتا ہے۔ ان کی اس تمام کاروائی کے دوران چوکیدار سوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد گلی میں ایک کار آئی۔ اس نے جب گلی کے بیچ میں چارپائی دیکھی تو ہارن بجانا شروع کر دیا جس سے چوکیدار کی آنکھ کھل گئی۔ وہ چھلانگ مار کر چارپائی سے نیچے اترا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہاں کیسے پہنچا۔ باسط اور ان کے دوست نے چوکیدار کی حیرانی سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

عطاالرحمان:۔ عطاالرحمان اور ان کے ایک دوست نے ایک ڈوری لی۔ اور اس کے سرے پر دس کا نوٹ لگا دیا۔ پھر اس نوٹ کو گلی کے بیچ میں رکھ دیا۔ لوگ آتے اور دس کا نوٹ دیکھ کر خوش ہو کر اٹھانے کے لئے جھکتے تو نوٹ آگے چلا جاتا تو لوگ شرمندہ ہو کر چلے جاتے اور عطا اور ان کے دوست اس آدمی پر آوازیں کستے۔ (عطاالرحمان کہتے ہیں کہ آپ ایسی شرارت نہ کیجئے گا)

آخری اسٹاپ

محمد خرم معراج

صبح سے شروع ہونے والی بارش اب تھم چکی تھی۔ سڑک پر پھسلن سے گاڑیاں سلپ ہو رہی تھیں۔ گل خان نے بڑی احتیاط سے اپنی بس اڈے پر کھڑی کردی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ابھی بادل مزید گرجیں گے اور جی بھر کے زمین کو سیراب کریں گے۔ اس لئے آج اس نے جلدی اپنا کام ختم کرلیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ بڑے منشی کو چابی حوالہ کرنے کے بعد سیدھا کلفٹن جائے گا مگر احمد خان کو دیکھتے ہی اس کا موڈ آف ہوگیا جو اس کے پیچھے کھڑا مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

"آج اتنی جلدی بھاگ کھڑے ہوئے! کہاں کی تیاری ہے؟" احمد خان اس کے قریب آگیا تھا۔ اپنے قد سے بھی لمبی مونچھوں والا اور لمبے دانتوں کے ساتھ ہنستا ہوا وہ گل خان کو زہر لگتا تھا۔

گل خان اس کی بات کو نظرانداز کرتا ہوا آگے بڑھ گیا جیسے اس نے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔ گل خان کی عادت تھی کہ کسی سے ناراضگی کے

اظہار کے لئے وہ خاموش ہو جاتا جبکہ احمد خان جیسے خاموشی کا دشمن تھا۔ اس کی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی۔ چپ نہ رہنے کی تو اس نے قسم کھائی ہوئی تھی۔

بڑے منشی کو بس کی چابی دینے کے بعد گل خان جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھا تو احمد خان پھر اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"تم میرا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے!" گھریلو مسائل سے پریشان گل خان نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"نہیں چھوڑ سکتا... کیا کر لو گے تم میرا؟" احمد خان نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تو ہو جائیں دو دو ہاتھ!" گل خان کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے اس کے اظہار کے لئے آستینیں چڑھالیں۔

"میں تو تمہارے بھلے کی بات کر رہا ہوں بھائی۔" احمد خان نرم پڑ گیا۔

"پچھلی بار کسی وزیر کی وجہ سے ہماری ریس خراب ہو گئی تھی۔ لیکن اب میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کل صبح یہیں سے ریس شروع کرتے ہیں۔"

"کل اگر موسم ٹھیک ہوا تو دیکھا جائے گا۔"

"دیکھا جائے گا نہیں..... پکی بات کرو۔" احمد خان نے آگے بڑھتے ہوئے گل خان کو روک لیا

"ایک ہزار کی شرط...... جو ریس جیتے گا.... ایک ہزار اس کے...... بولو منظور؟"

گل خان کی آنکھیں چمک گئیں۔ اتنی رقم سے اس کے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے تھے۔ ابھی کل ہی تو اس کے بڑے لڑکے نے کالج کی فیس کا تقاضہ کیا تھا مگر گل خان کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے..... اور غسل خانہ کی چھت بھی تو کل کی بارش میں ٹپک رہی تھی مگر اس مہینہ کا بجٹ ختم ہو چکا تھا۔ پیسہ گل خان کی سب سے بڑی ضرورت بن گیا۔

"ٹھیک ہے ..... لیکن ریس کہاں ختم ہو گی؟"

"ناگن چورنگی سے آخری اسٹاپ پر۔"

"منظور ہے ....." گل خان نے یہ کہتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا جس کے جواب میں احمد خان نے اتنی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا کہ اسے اپنا پورا وجود ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ یقیناً" احمد خان کا یہ انداز معنی خیز تھا۔ دونوں ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

گل خان اور احمد خان دونوں ایک ہی ٹرانسپورٹ کمپنی میں ڈرائیور تھے لیکن غیر محسوس طور پر ایک دوسرے کے حریف بن گئے تھے۔ احمد خان روزگار کی تلاش میں نوشہرہ سے آیا تھا جبکہ گل خان سوات کا رہنے والا تھا۔ شروع میں

دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے لیکن پیشہ ورانہ رقابت دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لے آئی۔ دونوں کے درمیان اکثر بسوں کی دوڑ ہوتی تھی۔ جس میں جیت اکثر احمد خان کی ہوتی۔ اس وجہ سے گل خان اس سے پیچ و تاب کھاتا تھا۔ احمد خان بھی گل خان کو ہرا کر دلی مسرت حاصل کرتا تھا۔ اسے چیلنج دینے کا الگ ہی مزا تھا۔ اس بار بھی احمد خان نے گل خان کو چیلنج دیا تھا جو اس لحاظ سے منفرد تھا کہ اس میں "کمائی" کا امکان تھا۔ مہارت کے لحاظ سے دونوں ہی مشاق ڈرائیور تھے لیکن جیت ہمیشہ احمد خان کی ہوتی۔ اس کے باوجود گل خان کو یقین تھا کہ ایک دن وہ احمد خان جیسے سورما کو ہرا کر فتح کا تاج اپنے سر پر رکھے گا۔

اگلے روز ریس والے دن گل خان صبح ہی صبح اڈے پر پہنچ گیا۔ اس کا ساتھی کنڈیکٹر بھی آچکا تھا۔ صبح گھر سے نکلنے سے پہلے گل خان نے کامیابی کے خیال سے دعا کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے تھے۔ اس نے اپنے بیٹے سے وعدہ کیا تھا کہ آج شام وہ اس کی فیس کے پیسے لے کر گھر لوٹے گا۔ اس نے مستری انور کو بھی ہدایت کردی تھی کہ وہ اگلے روز غسل خانہ کی چھت کی مرمت کے لئے اس کے گھر پہنچ جائے۔

احمد خان کی بس مسافروں سے بھر چکی تھی۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور مونچھوں کو تاؤ دیا۔ گل خان مسکرادیا۔ اس کے دل نے سرگوشی کی کہ آج کا دن اس کے نام ہے۔ وہ پوری تیاری کر کے آیا تھا۔ بس اسٹارٹ ہونے سے پہلے کنڈیکٹر نے اس سے کہا تھا "استاد..... اگر آج تم جیت گئے تو احمد خان کا کفر ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے گا۔" گل خان نے بھی اسے یقین دلایا تھا کہ آخری اسٹاپ پر پہنچ کر ہی وہ بریک لگائے گا۔

دونوں بسیں ایک ساتھ نکلیں اور مسافروں کو دھڑکا ہوا کہ آج ان کی خیر نہیں۔ مین روڈ پر پہنچتے ہی گل خان نے ایکسیلیٹر دبادیا اور اس کی بس پوری رفتار سے بھاگنے لگی۔ احمد خان بھی اطمینان سے ڈرائیونگ کررہا تھا۔ اس نے بلند آواز سے ٹیپ چلادیا اور بس کی رفتار تیز کردی۔

شاہراہ فیصل پر دونوں بسیں جہاز کی رفتار سے بھاگ رہی تھیں۔ گل خان نے سمجھ لیا تھا کہ آج وہ مخالف کا نشہ ہرن کردے گا۔ اس لئے کسی موقعہ پر اس نے احمد خان کو آگے نہیں نکلنے دیا۔ ایک موقعہ پر تو احمد خان کی بس الٹتے الٹتے بچی۔ وہ غصہ سے بھنا چکا تھا اور بریک پر سے پاؤں ہٹالیا تھا۔ دوسری طرف مسافر چلارہے تھے۔ گل خان کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ اس کی پوری توجہ بس کی رفتار پر مرکوز تھی۔

بس کے کئی مسافر قرآنی آیات کا ورد کر رہے تھے۔ کوئی موڑ کاٹتے ہوئے جب بس ہچکولے کھاتی تو مسافروں کا خوف و ہراس اور بڑھ جاتا۔ منزل قریب آگئی۔ مرکزی شاہراہ سے نکلتے ہی آخری آسٹاپ سامنے تھا۔ گل خان کی بس احمد خان کی بس سے آگے نکل چکی تھی۔ ہر آنے والا لمحہ گل خان کو کامیابی کی نوید سنا رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ فتح کے نشہ میں سرشار گل خان نے بس کی رفتار اور بڑھائی تو وہ بے قابو ہو گئی۔ عین اسی لمحے تیز رفتاری کے باعث لڑھکتی ہوئی سڑک کے بائیں جانب چلی گئی اور سامنے سے آنے والے آئل ٹینکر سے جا ٹکرائی۔ بس کے پرخچے اڑ گئے۔ کئی مسافر ہلاک ہوئے۔ ان میں بدنصیب گل خان بھی شامل تھا۔ احمد خان کی بس ابھی دور تھی اور گل آخری اسٹاپ پر پہنچ کر ریس جیت چکا تھا مگر خود اس کی زندگی کا آخری اسٹاپ آگیا تھا۔

پاگل

پاگل خانے کا معائنہ کرتے وقت ڈاکٹر نے ایک دماغی مریض سے پوچھا تم تو اچھے خاصے سنجیدہ اور ہوش مند دکھائی دیتے ہو تمہیں یہاں کون چھوڑ گیا ہے؟ پاگل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں واقعی بالکل ٹھیک تھا ڈاکٹر صاحب! کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ میں نے ایک خاتون سے شادی کی جو اٹھارہ سالہ جوان لڑکی کی ماں تھی۔ اتفاق سے وہ لڑکی میرے باپ کو پسند آگئی۔ ان کی شادی کے بعد میری بیوی میرے باپ کی ساس بن گئی۔ کچھ عرصے بعد میری بیوی کی لڑکی جو میرے باپ کی بیوی تھی، کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ رشتے کے لحاظ سے میرا بھائی تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ ہی میری بیوی کا نواسہ بھی تھا۔ اس اعتبار سے وہ میرا بھی نواسا بن گیا۔ اب میں اپنے بھائی کا نانا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ میری بیوی کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوا اور اسی روز سے میرے باپ کی بیوی اپنے سوتیلے بھائی کی بہن بھی بن گئی۔ حیرت ہے کہ وہ اس کی دادی بھی تھی ذرا سوچئے تو سہی میرا بیٹا اپنی دادی کا بھائی کیسے بن گیا؟ میری بیوی کی لڑکی میری سوتیلی ماں اور میرے بیٹے کی ماں اور میرے بیٹے کی بہن بھی ہے۔ اس حساب سے میرا بیٹا میرا ماموں لگتا ہے اور میں خود اپنا نانا بھی ہوں پھر میرے باپ کا بیٹا، جو میری بیوی کی لڑکی کا بیٹا بھی ہے اور میرا نواسا بھی اور...... خدا کے لئے بس کرو...... بس کرو۔ ڈاکٹر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑا اور چیخ کر بولا "ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

مرسلہ: طلال مجید، لاہور

غبارے نے دھارے ہیں رنگ کیسے کیسے

انسان اپنے ماحول کو خوب صورت رکھنا چاہے تو بظاہر بے کار اور کم اہم چیزوں کو بھی کارآمد اور اہم بنا سکتا ہے۔ اوپر کی تصویر میں امریکہ کے ایک پارک کا منظر دکھایا گیا ہے۔ لوگ یہاں تفریح کی غرض سے آتے ہیں۔ کچھ لوگ غبارے کے ذریعے ہوا میں اڑنے کا شوق پورا کرتے ہیں تو کچھ صرف انہیں دیکھ کر اپنا دل بہلا لیتے ہیں۔ تصویر میں نظر آنے والا دیو پیکر زرافہ بھی ایسے ہی ایک شوقین مزاج کی اختراع ہے۔ یہ لمبے لمبے غباروں میں ہوا بھر کر اور انہیں مضبوط رسیوں سے باندھ کر بنایا گیا ہے۔ دوسری تصویر میں دو بچیاں غبارے کا انسان بنائے نظر آرہی ہیں اور نیچے کی تصویر ان غباروں کی ہے جو انسان کے ہاتھوں مختلف روپ دھارنے کے منتظر ہیں۔

اللہ نے انسان کو قوتِ تخلیق دی ہے۔ اس قوت کو کام میں لانا اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کی تخلیق کی ہوئی چیز انسانوں کی بھلائی کے لیے ہو۔ نقصان کے لیے نہ ہو۔

میڈل

تحریر: اشتیاق احمد

"جناب! میں آپ کو بہت اہم بات بتانا چاہتا ہوں۔"

سب انسپکٹر خالد یہ الفاظ سن کر رک گیا، مڑ کر دیکھا تو ایک ادھیڑ عمر آدمی کھڑا نظر آیا۔

"ہاں! کہئے۔" اس نے نرم الفاظ ادا کئے۔

"میں دوائیں بنانے والی ایک فیکٹری میں ملازم ہوں۔" اس نے کہا۔

"اچھا تو پھر.....؟" وہ حیران ہو کر بولا۔

"جب میں نے اس فیکٹری میں ملازمت کی تھی، تب مجھے پتہ نہیں تھا کہ....."

"کہ کیا؟" وہ جلدی سے بولا۔

"وہ جعلی دوائیں بناتے ہیں۔"

"کیا!!" وہ دھک سے رہ گیا۔

"ہاں جناب!! انہوں نے اصل دواؤں کے عین مطابق ڈبیاں اور شیشیاں بنوا رکھی ہیں اور ان میں گولیاں اور کیپسول بھی بالکل ویسے ہی بھر دیئے ہیں، لیکن، ان میں دوا کے اصل جز تو نہیں ہو سکتے نا۔"

"اف مالک..... اس قدر ظلم..... پھر تم نے یہ ملازمت چھوڑ کیوں نہیں دی۔"

"ان کا کہنا ہے کہ جو ملازمت چھوڑ کر جاتا ہے..... وہ اسے مقدمات میں پھنسوا دیتے ہیں،"

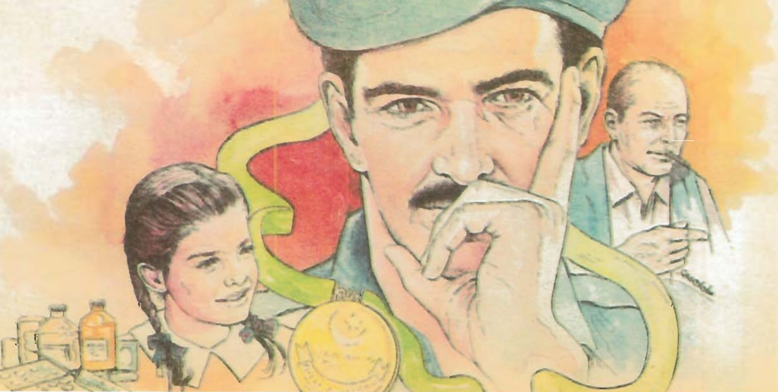

ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں.....وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں.....اور ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔"

"تب پھر.....تم نے یہ باتیں مجھے بتانے کی کیوں ٹھانی؟"

"میں آپ کے محلے میں رہتا ہوں..... آپ کو میں بہت اچھا انسان خیال کرتا ہوں.....پھر محلے میں آپ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ رشوت بالکل نہیں لیتے...... فیکٹری بھی آپ کے علاقے میں ہے۔"

"تو اس لئے تم نے یہ باتیں مجھے بتائیں.....خیر .....یہ بتاؤ فیکٹری ہے کہاں؟"

وہ اسے بتانے لگے......ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد اس نے کہا :

"ان باتوں کا کسی سے ذکر نہ کرنا......میں پہلے چند دنوں تک جائزہ لوں گا.....پھر کوئی قدم اٹھاؤں گا۔"

"بہت اچھا جناب۔" اس نے کہا۔

چند دن بعد سب انسپکٹر خالد نے اپنے چند با اعتماد کانسٹیبلوں کے ساتھ اس فیکٹری پر چھاپا مارا۔ وارنٹ اس نے پہلے ہی حاصل کر لئے تھے......

"خبردار کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے...... کسی نے فرار ہونے کی کوشش کی تو گولی مار دی جائے گی...اور ہاں سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو......"

فیکٹری میں کام کرنے والے تمام ملازمین بوکھلا گئے.......ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے....ایسے میں ایک طرف سے آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے انسپکٹر صاحب.......خیر تو ہے؟"

اس نے دیکھا' وہ ایک گنجے سر والا موٹے سے جسم کا آدمی تھا..... آنکھیں موٹی موٹی اور ابھری ہوئی تھیں.....اور قدرے خوفناک لگتا تھا۔

"آپ کی تعریف؟" سب انسپکٹر خالد نے کہا۔

"میں اس فیکٹری کا مالک ہوں......ریاض شاہ۔"

"تو تم ہو وہ ......جو جعلی دوائیں تیار کراتے ہو.....اب آٹے دال کا بھاؤ کا پتا چلے گا۔"

"ارے ارے! انسپکٹر صاحب! کیا بات کرتے ہیں..... آپ شاید اس علاقے میں نئے آئے ہیں؟"

"ہاں نیا آیا ہوں.....ایک ماہ ہوگیا ہے مجھے آئے...... لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا..... میں آپ کو گرفتار کر رہا ہوں۔"

"آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ میری فیکٹری میں تیار ہونے والی دوائیں جعلی ہیں؟"

"میں نے چند دن پہلے اس کیس پر کام شروع کیا تھا.....ایک عام آدمی کی حیثیت سے بھی یہاں آیا تھا.....میرا مطلب ہے...... فیکٹری کے ایک ملازم کے روپ میں......لہٰذا میں نے تمام حالات کا جائزہ اپنی آنکھوں سے لیا ہے.....میں

چشم دید گواہ ہوں......کہ یہاں جعلی دوائیں تیار ہوتی ہیں.....دوسرے یہ کہ ان دواؤں کو لیبارٹری میں چیک کیا جائے گا..... اس وقت دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"ہوں.....سودا کر لیتے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"جی......کیا فرمایا؟" سب انسپکٹر خالد نے چونک کر کہا۔

"میں نے کہا ہے سودا کر لیتے ہیں..... ایک لاکھ روپے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تو آپ مجھے رشوت دینے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"ایک لاکھ کم ہیں تو دو لاکھ...... پچیس پچیس ہزار فی کانسٹیبل الگ۔"

"صرف پچیس پچیس ہزار۔" ایک کانسٹیبل نے جھلا کر کہا۔

"کیا مطلب.....دماغ تو نہیں چل گیا۔" سب انسپکٹر خالد اس کی طرف مڑا۔

"سر! اچھا موقع ہے...... تین لاکھ آپ لے لیں.....پچاس پچاس ہزار ہمیں دلوا دیں.....وارے نیارے ہو جائیں گے......ساری زندگی بھی اتنے پیسے جمع نہیں کر پائیں گے۔"

"میں با اعتماد ساتھی لے آیا تھا.....!" سب انسپکٹر خالد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہمارے ہاتھ بہت لمبے ہیں..... آپ رشوت نہیں لیں گے تو ہم اوپر والوں کو دے دیں گے...... رقم کچھ زیادہ دینی پڑ جائے گی...... لیکن ہم صاف بچ جائیں گے......اور اس وقت آپ سوچیں گے.....کہ آپ بھی رشوت لے لیتے.....مجرم تو ویسے بھی چھوٹ گئے ہیں۔"

"نہیں.....میں ایسا نہیں سوچوں گا اور رپورٹ بھی ڈٹ کر لکھوں گا......ایک ایسی رپورٹ کہ تم بچ نہیں سکو گے۔"

"یہ تجربہ کر لیں...... آپ اس میدان میں نئے ہیں۔"

اس نے ریاض شاہ کو حوالات میں بند کر دیا..... فیکٹری کو سیل کر دیا اور اس کے خلاف مقدمہ درج کر لیا.....ایک ہفتے بعد ریاض شاہ کی ضمانت ہو گئی اور وہ باہر آ گیا.....اس کی دواؤں کا جس لیبارٹری میں ٹیسٹ کیا جا رہا تھا' ریاض شاہ نے وہاں لمبی چوڑی رقم دے کر دوائیں پاس کرائیں اور اس طرح وہ مقدمے میں بھی صاف بری ہو گیا۔

اس واقعے کے بعد سب انسپکٹر خالد اپنے سینہ میں ایک بھاری بوجھ ہر وقت محسوس کرنے لگا....ایک دن راستے میں اسے ریاض شاہ مل گیا۔

"ہیلو انسپکٹر صاحب.....سنائیے کیا حال

ہے......؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"اب آپ کو افسوس ہوتا ہے نا کہ آپ نے وہ تین لاکھ روپے کیوں گنوادیئے ؟"

"نہیں! ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تب پھر؟" اس نے طنزیہ کہا۔

"افسوس اس بات کا ہے کہ جعلی دواؤں کا کاروبار تم اسی طرح کر رہے ہو.....لوگوں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہو......"

"تو پھر ایک بار اور کوشش کرو......" یہ کہہ کر وہ ہنسا اور آگے بڑھ گیا۔

ایک دن اس کے ڈی ایس پی نے اسے اپنے دفتر بلایا.....وہ اندر داخل ہوا تو ڈی ایس پی نے اٹھ کر گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔"

"سب انسپکٹر خالد! تمہارا کیس درست ثابت ہوا ہے......"

"جی کیا مطلب؟"

"میں نے لیبارٹری والوں کے خلاف خفیہ انکوائری کرائی تھی...... ان کا رشوت لینا ثابت ہو گیا ہے......ریاض شاہ واقعی جعلی ادویات بناتا ہے.....اب وہ قانون کے آہنی شکنجے سے نہیں بچ سکتا۔"

"کیا......کیا واقعی؟"

"ہاں اور حکومت کی طرف سے تمہیں تعریفی سرٹیفکیٹ اور یہ میڈل بھیجا گیا ہے......"

"اوہ......بہت بہت شکریہ......" اسے اپنے سینے سے بوجھ اترتا محسوس ہوا۔

تعریفی سرٹیفکیٹ اور میڈل لئے وہ گھر پہنچا.....اس کی بچی نے دروازہ کھولا اور چھوٹتے ہی بولی :

"ابو میری گڑیا....رونے ہنسنے والی گڑیا......دیکھئے آج بھی یہ نہ کہئے گا کہ وہ بہت مہنگی ہے اور ہماری تنخواہ بہت کم۔"

"ہاں بیٹی.....یہی بات ہے......" کمر کے پیچھے سے وہ اپنے دونوں ہاتھ آگے لے آیا.....ایک ہاتھ میں تعریفی سرٹیفکیٹ تھا' دوسرے میں ننھا سا میڈل....چاندی کا میڈل۔"

"یہ کیا ہے ابو ؟"

"حکومت کی طرف سے انعام ہے بیٹی.....مجھ سے بڑی بھول ہوئی....یہ میڈل بیچ کر میں تمہارے لئے گڑیا لاسکتا تھا.... ٹھہرو....میں ابھی گڑیا لاتا ہوں۔"

سچ ابو : "بچی اچھل پڑی۔

"ہاں میری بچی....بالکل سچ.....میں ابھی آیا۔"

وہ الٹے قدموں مڑ گیا.....وہ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ ہنسے' مسکرائے یا آنسو بہائے۔

■

عبدالحلیم شرر

ڈاکٹر اسلم فرخی

منشی قمرالدین بڑھاپے کے ہاتھوں مجبور ہوگئے۔ کمزوری تھی کہ روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ کام ہوتا نہیں تھا۔ آخر ایک دن بادشاہ کے سامنے عرض گزرانی۔ "یہ خادم اب بہت بوڑھا اور کمزور ہوگیا ہے، کام نہیں کرسکتا اب اس کے بجائے اس کے نواسے عبدالحلیم کو خدمت کا موقعہ دیا جائے۔ عبدالحلیم ابھی نوجوان ہے لیکن یہیں پلا بڑھا ہے، اس لئے آسانی سے کام سیکھ لے گا۔" بادشاہ نے درخواست منظور کرلی۔ میاں عبدالحلیم منشی گیری کا کام کرنے لگے۔

یہ بادشاہ تھے اودھ کے آخری حکم راں واجد علی شاہ۔ انگریزوں نے ان کے علاقے اودھ پر زبردستی قبضہ کرلیا تھا اور انہیں کلکتے لے جاکر ایک طرح سے قید کردیا تھا۔ یہ کلکتے کے جس علاقے میں رہتے تھے اس کا نام میٹا برج تھا۔ ان کے بہت سے درباری اور ملازم بھی ان کے ساتھ رہتے تھے۔ اس طرح یہ علاقہ چھوٹا موٹا لکھنؤ بن گیا تھا۔ میاں عبدالحلیم پیدا تو لکھنؤ میں ہوئے تھے لیکن اس کے والد منشی تفضل حسین میٹا برج

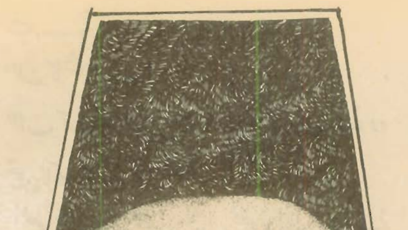

میں رہتے تھے یہیں ملازم تھے۔ نانا بھی شاہی منشی تھے، اس لئے میاں عبدالحلیم کا پڑھنا لکھنا، تربیت، پرورش سب میٹا برج میں ہوئی۔ انہوں نے لکھنؤ کے آخری بادشاہ واجد علی شاہ اور ان کے درباریوں کو بہت قریب سے دیکھا۔ شہزادوں کے ساتھ کھیلے کودے اور بڑے ہوئے تو یہیں ملازم بھی ہوگئے۔ لکھنؤ آنا جانا بھی رہتا تھا۔ مگر زیادہ وقت میٹا برج میں گزرتا تھا۔

عبدالحلیم کو لکھنے پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ اچھے استادوں سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شاعری کا شوق ہوا تو شعر بھی کہنے لگے۔ شرر تخلص رکھا مگر شعر

کہنے سے زیادہ انہیں نثر لکھنے اور علم حاصل کرنے سے دل چسپی تھی۔ ایک دن شرر کے والد کو خیال آیا کہ لڑکا جوان ہو گیا ہے۔ شہزادوں کی صحبت اچھی نہیں۔ یہاں رہے گا تو بگڑ جائے گا۔ یہ سوچ کر انہوں نے شرر کو لکھنؤ بھیج دیا۔ شرر کی عمر ان دنوں سولہ سترہ برس کی تھی۔ گھر والوں نے شادی بھی کردی مگر علم حاصل کرنے کی دُھن کسی طرح کم نہیں ہوئی۔

ان دنوں دلی میں ایک بڑے مشہور عالم اور استاد مولوی نذیر حسین محدث طلبہ کو درس دیتے تھے۔ مولوی صاحب کا بڑا نام تھا۔ سارے ملک میں دُھوم تھی۔ شرر بھی ان سے پڑھنا چاہتے تھے مگر پیسوں کے بغیر دلی کیسے جاتے۔ آخر یہ کیا کہ ایک جگہ ایک چھوٹی سی نوکری کرلی۔ دس روپے جمع کرلیے اور اللہ کا نام لے کر چل کھڑے ہوئے۔ شرر دلی میں دو ڈھائی برس رہے۔ خاموشی سے علم حاصل کرتے رہے۔ بڑی لگن تھی، بڑا شوق تھا، نہ کوئی سرپرست تھا نہ کوئی سہارا نہ وسیلہ، بس اللہ کا سہارا اور اپنا شوق تھا۔ دھن کے پکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

شرر دلی میں علم حاصل کرتے رہے اور یہیں انہوں نے ایک عربی کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی کرڈالا۔ یہ ترجمہ کئی بار شائع ہوا اور اس کی وجہ سے شرر لکھنے والوں میں شمار ہونے لگے۔ دلی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد شرر لکھنؤ واپس آگئے۔ ان دنوں لکھنؤ سے ایک اخبار نکلتا تھا نام تھا "اودھ اخبار"۔ بہت مشہور تھا، سارے ملک میں پڑھا جاتا تھا۔ شرر اسی اخبار میں ملازم ہو گئے۔ مضامین لکھنے لگے۔ محنتی آدمی تھے، شوق تھا، لکھنے کا ڈھنگ جانتے تھے۔ مہینے بھر کے مضمون چار پانچ دن میں لکھ دیتے تھے مگر یہ مضمون اعلیٰ درجے کے ہوتے تھے۔ ان کا ایک مضمون روح کے عنوان سے چھپا۔ اس زمانے کے مشہور قومی رہنما سرسید احمد خاں نے وہ مضمون پڑھا تو اودھ اخبار کے مالک کو خط لکھا کہ "یہ مضمون بہت اعلیٰ درجے کا ہے۔ میں اپنی تفسیر میں اس کے چند خیالات لینا چاہتا ہوں آپ مجھے اجازت دلوادیجیے۔" مالک نے شرر سے کہا اور سرسید کو اجازت دے دی گئی۔

شرر اودھ اخبار کا مہینے بھر کا کام چار پانچ دن میں کرلیتے تھے۔ اس کے بعد کیا کریں طبیعت میں ایک بے قراری تھی۔ دن رات کام میں مصروف رہنا چاہتے تھے۔ ایک دوست کے نام سے ایک رسالہ محشر جاری کردیا۔ سارے مضامین خود ہی لکھتے اور ایسے کہ پڑھنے والے پڑھتے اور مزے لیتے۔ قلم میں بڑا زور تھا۔ مضمون کیا لکھتے تھے، تصویر کھینچ دیتے تھے۔ منظر نگاری میں کمال حاصل تھا۔ ایک بار "محشر" میں ایک مضمون لکھا

جس میں صبح کا سماں دکھایا گیا تھا۔ لوگوں نے پسند کیا تو شرر نے صبح کا سماں دکھانے کے لئے سترہ اٹھارہ مضمون لکھ دیئے۔ محشر کا جو شمارہ شائع ہوتا اس میں صبح کے سماں کے بارے میں ایک مضمون شامل ہوتا۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا یہ مضمون شاعرانہ ہیں۔ علمی مضمون اس طرح لکھئے تو جانیں۔ پھر انہوں نے خود ہی ایک عنوان بھی تجویز کردیا۔ شرر نے نہایت اطمینان کے ساتھ اس عنوان پر بھی کئی عمدہ مضمون لکھ دیئے اور اپنی دھاک بٹھادی۔

دو برس اس طرح گزر گئے۔ اودھ اخبار کے مالک نے شرر کو اخبار کا نامہ نگار بنا کر حیدر آباد بھیج دیا۔ وہاں کے لوگوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہیں کے ایک اخبار کا کام سنبھال لیں۔ شرر راضی ہوگئے۔ اور اودھ اخبار کے مالک سے ملنے لکھنؤ آئے۔ اودھ اخبار کی ملازمت چھوڑ دی مگر ہوا یہ کہ جن صاحب نے ان سے حیدر آباد میں اخبار سنبھالنے کے لئے کہا تھا وہ اپنی بات سے پھر گئے اور شرر بیکار ہوگئے۔ اس موقع پر ان کے ایک دوست نے مشورہ دیا کہ ناول لکھو، میں چھاپوں گا جو آمدنی ہوگی وہ برابر برابر بانٹ لیں گے۔ لکھنا شرر کا شوق تھا۔ انہوں نے فوراً ایک ناول لکھ دیا جو بہت پسند کیا گیا اور شرر کو یہ اندازہ ہوگیا کہ ان کا لکھا ہوا ناول بھی ان کے مضمونوں کی طرح شوق سے پڑھا گیا ہے۔ ناول لکھنے میں انہیں ایک نئی دنیا نظر آئی اور اس کی طرف بڑھ گئے۔

شرر مولوی تھے۔ دینی علم کے ماہر تھے مگر انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ انگریزی جاننا بھی ضروری ہے۔ یہ بات ذہن میں آتے ہی انہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کردی۔ انگریزی میں پڑھنے لگے۔ ایک بنگالی ناول نگار کا ناول انگریزی میں پڑھا تو اردو میں اس کا ترجمہ کر ڈالا۔ انگریزی نظموں کے ترجمے کئے۔ ان کا یہ شوق دیکھ کر ایک دوست نے ان سے کہا" خود ایک رسالہ نکالو۔ جو کچھ لکھو اس میں لکھو" شرر کو یہ رائے پسند آئی۔ رسالہ "دل گداز" جاری کردیا۔ انہیں تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور چاہتے تھے کہ مسلمان نوجوان اپنے بزرگوں کے کارناموں سے پوری طرح واقف ہوجائیں مگر لوگ تاریخ کی خشک کتابیں پسند نہیں کرتے تھے۔ شرر نے اس کا حل یہ نکالا کہ تاریخی ناول لکھنا شروع کردئے۔ یہ ناول "دل گداز" میں قسط وار چھپتے تھے لوگ انہیں بڑے شوق سے پڑھتے تھے اور اس طرح اپنی تاریخ اپنے بزرگوں کے کارناموں اپنی تہذیب اور علمی ترقی سے واقف ہوجاتے تھے۔ یہ ایک بڑی مفید قومی خدمت تھی۔ شرر نے تاریخ کو بہت دل چسپ اور پسندیدہ بنادیا۔ وہ

بڑی عمدہ نثر لکھتے تھے۔ ناول نگاری کے طریقوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے ناول اردو ادب میں بہت مشہور ہوئے۔ ان کے تاریخی ناولوں کی تعداد پچیس ہے۔ آٹھ ناول ان کے علاوہ ہیں۔ بڑا کام کیا مگر ناولوں کے علاوہ بھی انہوں نے اور بہت کچھ لکھا ہے۔ تاریخ کی کتابیں ہیں "تاریخ سندھ" اور "تاریخ اسلام" ان کی دو بڑی مشہور کتابیں ہیں۔ تاریخ سندھ پر حیدر آباد کی حکومت نے انہیں پانچ ہزار روپے انعام کے طور پر دیئے تھے۔ مختلف لوگوں کی سوانح عمریاں ہیں' ڈرامے ہیں' ترجمے ہیں' انگریزی نظموں کے ترجمے ہیں' آٹھ جلدیں مضمونوں کی ہیں۔ انہوں نے لکھنؤ کے بارے میں مضمونوں کا ایک پورا سلسلہ لکھا تھا۔ اس میں لکھنؤ کی تاریخ' وہاں کے رہن سہن' لوگوں کے لباس اخلاق' عادتیں' علم' شعرو شاعری' نثرنگاری' عام حالات سب کو بڑی تفصیل سے بیان کیا تھا۔ یہ مضمون "مشرقی تمدن کے آخری نمونے" کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں چھپے ہیں۔ شاید ہی کسی شہر اور تہذیب کے بارے میں ایسی کتاب لکھی گئی ہو۔ کہیں کہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرر نے جو کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا ہے وہی اپنے پڑھنے والے کو بھی دکھایا ہے۔

شرر بڑے محنتی انسان تھے۔ صبح دس بجے لکھنے بیٹھ جاتے۔ دو بجے تک برابر لکھتے رہتے شام کو دوستوں سے ملتے جلتے اور رات کو پھر لکھنے پڑھنے میں لگ جاتے۔ بڑی رات تک کام کرتے رہتے۔ رات کو ایک بجے کھانا کھا کر سوتے بڑے ملنسار آدمی تھے۔ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ساری زندگی سادگی میں گزار دی۔ حیدر آباد کے ایک نواب نے انہیں اپنے لڑکوں کا اتالیق بنا کر انگلستان بھیجا۔ شرر کوئی ڈیڑھ برس وہاں رہے۔ یورپ کی سیر بھی کی اور علم کا شوق یوں پورا کیا کہ فرانسیسی زبان سیکھ لی۔ علم کا یہ شوق انہیں ساری زندگی رہا۔ عربی' فارسی' انگریزی کی کتابیں خریدتے رہتے۔ بڑے شوق سے پڑھتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے۔ ان کے لکھنے میں بڑی تیزی تھی۔ تین کاتب بیٹھے ہوئے ہیں ایک کو دل گداز کے لئے مضمون لکھ کر دیتے جارہے ہیں دوسرے کو دوسرے رسالے کے لئے مضمون دے رہے ہیں۔ تیسرے کو ناول کا کوئی حصہ دیا۔ تینوں کاتب لکھنؤ میں مصروف ہیں اور شرر ہیں کہ تنہا بیک وقت تینوں کاتبوں کو مصروف رکھے ہوئے ہیں۔ لکھنے اور ایسا تیز اور عمدہ لکھنے کا سلیقہ بہت کم لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔

شرر کا رسالہ "دل گداز" تقریباً" چالیس برس جاری رہا۔ بیچ بیچ میں بند ہو جاتا پھر جاری

ہوجاتا۔شرر اپنے زمانے کے حالات کے بارے میں لکھتے رہتے۔ روشن خیال تھے جو رسمیں اور طریقے اچھے تھے انہیں پسند کرتے تھے۔ جنہیں بُرا اور غلط سمجھتے ان کی ڈٹ کر مخالفت کرتے۔ مخالفوں کی پروا نہ کرتے۔بعض لوگ ان کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتے تھے اور ان کے خلاف لکھتے رہتے تھے۔ شرر ان کے اعتراض کا جواب دیتے اور جس طرح کا اعتراض ہوتا اس طرح کا جواب دیتے۔لکھنؤ کے ایک مزاحیہ اخبار اودھ پنچ نے ان کے خلاف بہت کچھ لکھا۔ شرر نے بھی ترکی بترکی جواب دیا۔

شرر کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا لیکن ان کی نثر نے ان کی شاعری کو دبالیا اور انہوں نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ لیکن انہوں نے ایک کام یہ ضرور کیا کہ بے قافیہ نظمیں لکھیں اور شاعروں کو بے قافیہ نظمیں لکھنے کا مشورہ بھی دیا۔ انہوں نے دو ڈرامے اسی انداز میں لکھے۔ آگے چل کر بے قافیہ نظمیں لکھنے کا رواج عام ہوگیا اور شرر کے نئے تجربے کو شاعری میں جگہ مل گئی۔

شرر نے ہزاروں صفحے لکھے۔ہر موضوع پر لکھا۔ ان کی کتابوں کی تعداد ایک سو دو بیان کی جاتی ہے۔ بڑی خوبصورت نثر لکھتے تھے جس منظر کو بیان کرتے، پڑھنے والا اسے آنکھوں سے دیکھ لیتا۔ تاریخ کا شوق پیدا کیا۔ نئے زمانے کو سمجھا۔ پرانی تہذیب سے محبت سکھائی۔ ساری زندگی اپنے قلم سے قومی خدمت کرتے رہے۔ شرر ان لوگوں میں سے تھے جن کی زندگی کا ہر لمحہ قومی خدمت میں گزرتا تھا۔ بڑے آدمی تھے مگر سادہ مزاج اسلام کا درد تھا۔ دس جنوری ۱۸۶۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کو رخصت ہوگئے مگر چھیاسٹھ برس کی زندگی میں ایسے کام کرگئے جو ان کا نام ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

اقوال زریں

☆ مضبوط ارادے ماں بناتی ہے۔

☆ جسے ہارنے کا خوف ہوگا وہ ضرور ہارے گا۔

☆ جو جتنا زیادہ بولے گا اتنا ہی کم عقل ہے۔

☆ بری کتابیں روح کو مار دیتی ہیں۔

☆ غربت، انقلاب اور جرم کی ماں ہے۔

☆ ہر ناکامی اپنے دامن میں کامرانی کا پھول لئے ہوئے ہے۔

☆ آنکھوں کو جھکانے اور دل کو سوچنے کی عادت ڈالو۔

☆ بھوک نور ہے اور پیٹ بھر کر کھانا آگ۔

☆ دوستی میں شک و شبہ زہر ہے۔

☆ تین چیزیں انسان کو تباہ کردیتی ہیں۔
۱۔ حرص ۲۔ فکر ۳۔ غم

مرسلہ : سید شعیب علی، گجرات

علم

ناصر زیدی

آدمیت کی شان و شوکت ہے
"علم اک لازوال دولت ہے"
آؤ! حاصل کریں اسے مل کر
علم ہی سے وقارِ ملّت ہے

علم کوئی چُرا نہیں سکتا
اس کو ہر گز مٹا نہیں سکتا
علم کے فیض سے کوئی انساں
شر کے چنگل میں آنہیں سکتا

علم کی جس کو پیاس رہتی ہے
اس کی ہستی میں آس رہتی ہے
جہل پر جو بھی انحصار کرے
زیست اس کی اُداس رہتی ہے

علم کا جس جگہ بسیرا ہے
اس جگہ دودھیا سویرا ہے
صدق و عزم و عمل اسی سے ہے
علم سب نیکیوں کا ڈیرا ہے

چھوٹا

عظیم اختر میمن

"اے خدایا، تو نے میرا قد چھوٹا کیوں بنایا ہے، میرا کیا قصور تھا۔" میں یہ سوچتے ہوئے گھر کی طرف جا رہا تھا، رنج، غم اور غصے سے میرا بُرا حال تھا۔ چھوٹے قد کا احساس مجھے سب دوستوں کے لمبے قد دیکھ کر ہوا تھا۔ اسی وقت ایک سائیکل والا مجھ سے ٹکرا گیا۔

"اندھے ہو گیا؟" میں نے غصے سے سائیکل والے لڑکے کو گھور کر کہا۔

"او بھائی، جا اپنا راستہ لے، سر مت کھا میرا۔" سائیکل والا لڑکا بولا تو میرا پارہ جیسے چڑھ گیا۔

"تجھے تو ابھی میں سبق سکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے اپنی آستین چڑھائیں اور اسے گریبان سے پکڑ کر سائیکل سے اتارا۔

"دماغ تو صحیح ہے تمہارا، یہ کیا کر رہے ہو؟" سائیکل والا بولا، لیکن میں تو اس کی کوئی بات نہیں سن رہا تھا، میں نے اس کے جبڑے پر ایک مکا رسید کیا، مکا کھا کر وہ زمین پر گر پڑا، اس کے لب پھٹ چکے تھے اور ان میں سے خون بہہ رہا تھا۔

"کیوں لڑ رہے ہو بیٹا۔" چچا اشرف بولے۔ اور ساتھ ہی مجھے اپنے ہاتھوں سے روکا۔

"چھوڑو چاچا مجھے، میں اس کمینے کا خون پی جاؤں گا۔"

"چھوڑو بیٹا دفع کرو اسے۔" چچا اشرف بولے۔ میں نے غصے سے اس لڑکے کو دیکھا جو ابھی تک خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور گھر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"کھانا نہیں بنایا ابھی تک۔" میں نے چلا کر کہا۔

"بیٹا ابھی لاتی ہوں تمہارے لئے کھانا، بس پانچ منٹ صبر کرو۔" امی بولیں۔

"صبر کرو، لگتا ہے آج کھانے میں صبر کھلائیں گی آپ۔"

"بس تھوڑی دیر......"

"میں تو جارہا ہوں بریانی کھانے، کھانا، ابو، منی اور آپ کھالیجئے گا۔" میں نے امی کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور امی مجھے روکتی ہی رہ گئیں۔ چھوٹے قد کے احساس اور غصے سے میرا سر، پھٹا جارہا تھا اور بھوک بھی زوروں سے لگی ہوئی تھی۔ میں سیدھا اکبر بریانی والے کے پاس پہنچا، حسب معمول اس کی دکان پر بہت زیادہ رش تھا۔

"ایک پاؤ بریانی دے دو پلیٹ میں۔" میں نے اکبر بریانی والے سے کہا۔

"ابھی دیتا ہوں صاحب۔" یہ کہہ کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا

"ہم کوئی بھیک منگے ہیں جو اتنی دیر سے کھڑا کیا ہوا ہے۔"

"زیادہ شور مت کرو، اگر بریانی نہیں لینی تو جاؤ یہاں سے، میرا ٹھیلا تو ویسے بھی بہت اچھا چلتا ہے خدا کے فضل سے۔" اکبر بریانی والا بولا۔

"چلو دو بریانی۔" میں نے کہا تو اس نے پلیٹ میں بریانی ڈالی اور پلیٹ میری طرف بڑھادی۔ ابھی میں نے دو لقمے ہی لئے تھے کہ میں نے پلیٹ میں دیکھا، اس نے ایک بوٹی بھی نہیں ڈالی تھی۔

"تمہاری مجھ سے کوئی دشمنی ہے، کیا ساری بوٹیاں گھر لے کر جاؤ گے، مفت میں تو نہیں لی تم سے بریانی؟" میں نے کہا

" زیادہ شور مت کرو۔" وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا

"کروں گا شور، کیا کرلو گے تم۔" میں نے کہا تو وہ جو مجھ پر پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا، اس نے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا، میں نے بھی اسے پیچھے دھکا دیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ بڑی مشکل سے لوگوں نے ہمیں چھڑایا۔

"جاؤ یہاں سے اور آئندہ یہاں کا رخ بھی نہ کرنا۔" اکبر بریانی والا بولا۔

"میں تو تھوکتا ہوں تم پر اور تمہارے ٹھیلے پر۔" یہ کہہ کر میں نے بریانی کی پلیٹ وہیں پھینکی اور گھر کی طرف چل دیا۔

"اچھا ہوا یار ارشد تم مل گئے، میں تمہاری ہی طرف آرہا تھا۔" یہ کہہ کر کاشف نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ہاں! بھئی کیوں آرہے تھے تم؟" میں نے اس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"یار یہ میں نے کاپی لی تھی نا انگلش کی تم سے، وہ ہی دینے آرہا تھا۔"

"سارا ہوم ورک کرلیا تم نے؟"

"ہاں"۔

"تو لاؤ کاپی دو مجھے۔"

"یہ لو۔" یہ کہہ کر اس نے کاپی میری طرف بڑھادی۔

"یہ کیا کیا تم نے، کاپی کا کور پھاڑ دیا۔"

"یار! یہ تو پہلے ہی سے ....." وہ بولا۔

"بکواس بند کرو، کیوں پھاڑا تم نے کاپی کا کور؟" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یار میں نے تمہیں بتایا نا کہ یہ تو پہلے ہی سے ......"

"میں منہ توڑ دوں گا تمہارا۔" یہ کہہ کر میں نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا، تھپڑ میں نے اتنی زور سے مارا تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

--- ○ ---

"بیٹا تمہارے ابو ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔" امی نے مجھ سے کہا۔

"وہ کیوں امی؟"

"بیٹا یہ تو مجھے پتا نہیں۔"

"ٹھیک ہے امی، میں جارہا ہوں۔" میں نے کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ ڈرائنگ روم میں، میں جیسے ہی داخل ہوا حیران رہ گیا۔ اکبر بریانی والا، سائیکل والا لڑکا، اور شاید اس کے قریب بیٹھا ہوا اس کا باپ اور کاشف اور اس کے ابو۔ یہ سب ڈرائنگ روم میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ابو کی طرف دیکھا ان کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔

"ادھر آؤ میرے پاس۔" ابو نے مجھے اپنی طرف بلایا۔

"جی! ابو۔"

"کیوں لڑتے رہتے ہو تم سب سے؟ اس لڑکے کا خون نکال دیا، اپنے دوست کو تھپڑ دے مارا اور اکبر بریانی والے سے بھی لڑ بیٹھے۔ اور تمہاری امی اور منی بھی تمہاری شکایت کررہی تھیں۔ آخر تم ہو کیا چیز، غنڈے، بدمعاش۔" ابو بولتے جارہے تھے میرا سر شرم سے جھک گیا، مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں اور "چھوٹا" ہو گیا ہوں ......!!

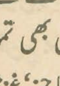

انعامی لطیفہ

پاگل خانے کا نیا داروغہ پاگلوں کے ساتھ باغ میں ٹہل رہا تھا۔ ایک پاگل نے بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھ کر کہا ”ہم آپ کی بے حد قدر کرتے ہیں۔“

”وہ کیوں؟“ داروغہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

”اس لئے کہ آپ ہمارے جیسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔“

مرسلہ : عابد وجیہ، کراچی

ایک شخص بوسیدہ سا سوٹ پہنے ایک درزی کی دکان پر آیا اور بولا۔ ”میں نے سنا ہے کہ میرے بیٹے نے تین سال پہلے ایک سوٹ سلوایا تھا اور اُجرت آج تک ادا نہیں کی۔“

درزی کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس نے کہا ”جی ہاں! آپ نے صحیح سنا ہے، تو کیا آپ وہ بل ادا کرنے آئے ہیں؟“

”نہیں بھئی!“ اس شخص نے جواب دیا ”انہی شرائط پر میں بھی ایک سوٹ سلوانا چاہتا ہوں۔“

مرسلہ : نیلم پروین، پشاور

☆ --- ☆ --- ☆

ایک گھر کے دروازے پر دستک ہوئی گھر والوں نے پوچھا ”کون ہے؟“

جواب ملا ”شہزادہ“

پوچھا ”باپ کا نام؟“

جواب ملا ”بادشاہ“

"کیا چاہتے ہو؟" گھر والوں نے پوچھا۔
"ایک روپے کا سوال ہے بابا!"
مرسلہ : ابوبکر جاوید' گوجرانوالہ
☆.....☆.....☆
کہتے ہیں ایک سکھ شاعر نے جو بی۔ اے پاس تھا۔ غالب کے اشعار کی شرح (تشریح) لکھنا شروع کی۔
جب یہ شعر سامنے آیا۔
موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
تو اس کی شرح یہ لکھی کہ غالب کہتا ہے کہ "موت جب بھی آئے گی' دن کے وقت آئے گی' پھر رات کو نیند کیوں نہیں آتی۔"
مرسلہ : نائلہ بختیار' کوہاٹ شہر' صوبہ سرحد
☆.....☆.....☆
ایک فقیر صدا لگاتا ہے "ایک روپے کا سوال ہے بابا۔" ایک لڑکا پاس سے گزرتا ہے اور پچاس پیسے دے کر کہتا ہے "اسٹوڈنٹ!"
مرسلہ : ابوبکر جاوید' گوجرانوالہ۔
☆.....☆.....☆
ایک دن میرا چھوٹا بھائی صبح کو اٹھ کر امی سے کہنے لگا۔
"امی میں نے ایک بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔"
امی نے کہا "بتاؤ کیا دیکھا۔"
کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بولا "میں اچھی طرح نہیں بتا سکتا آپ ہی بتادیں۔"
امی نے کہا "بیٹا خواب تو تم نے دیکھا ہے' میں نے نہیں۔"
وہ بولا "کیا ہوا' آپ بھی تو وہیں تھیں۔"
مرسلہ : شمس الدین التمش' دوآبہ
☆.....☆.....☆
ایک دفعہ ایک بحری جہاز حادثے کا شکار ہو گیا۔ اتفاق سے تین آدمی بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ ایک بیابان جزیرے پر پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک آدمی کو ایک چراغ ملا۔ اسے رگڑنے پر ایک جن حاضر ہوا۔ وہ تینوں جن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ جن نے ان سے کہا "میں تمہاری ایک ایک خواہش پوری کر سکتا ہوں۔" تینوں یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ پہلا آدمی بولا "مجھے میرے والدین کے پاس لے چلو۔" جن نے اس کی خواہش پوری کردی۔ دوسرا آدمی بولا "مجھے میرے بیوی بچوں کے پاس لے چلو۔" جن نے اس کی خواہش بھی پوری کردی۔ پھر جن نے تیسرے آدمی سے اس کی خواہش پوچھی تو اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا "میرا دل ان دونوں کے بغیر نہیں لگ رہا۔ ایسا کرو تم ان دونوں کو واپس لے آؤ۔"
مرسلہ : حماد عارف' راولپنڈی

☆ --- ☆ --- ☆

ایک بوڑھے سیاستدان کے انتقال پر اس کے دوستوں نے طے کیا کہ اس کی تجہیز و تکفین شاندار طریقے سے انجام دی جائے چنانچہ انہوں نے چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا، چندہ اکٹھا کرتے وقت وہ ایک بوڑھے سرمایہ دار کے پاس پہنچے۔ "تمہیں مجھ سے کتنا چندہ ملنے کی توقع ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"کم سے کم پچاس ڈالر۔ تاکہ ہم اپنے قدیم سیاستدان کو ادب و احترام سے دفن کر سکیں۔" چندہ کرنے والوں نے جواب دیا۔

سرمایہ دار نے اپنی جیب سے پرس نکالا اور نوٹ نکالتے ہوئے بولا "یہ لو تین سو ڈالر کم از کم چھ سیاستدانوں کی تجہیز و تکفین خوب شان سے انجام دو۔"

مرسلہ : عظیم اختر میمن، میرپور خاص

☆ --- ☆ --- ☆

ایک عورت نے دوسری سے کہا کہ "تم میرے ڈاکٹر کے پاس جاؤ بہت قابل ہے۔" دوسری عورت نے کہا کہ "مجھے اس کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔"

پہلی عورت نے کہا کہ "تم اس کے پاس جاؤ تو سہی وہ اتنا قابل ہے کہ تمہیں کوئی نہ کوئی بیماری بتا دے گا۔"

مرسلہ : عبدالصمد، برغزی کلاں کوہاٹ

☆ --- ☆ --- ☆

استاد (شریف سے) : "اون کسے کہتے ہیں؟"

شریف : سوری سر، مجھے معلوم نہیں۔

استاد : "تمہارا کوٹ کسی چیز سے بنا ہے؟"

شریف : "سر! میرے ابو کی پتلون سے بنا ہے۔"

مرسلہ : عبدالصمد برغزی کلاں کوہاٹ

☆ --- ☆ --- ☆

ایک شخص نے پاگل خانے کی سیر کرتے ہوئے ایک پاگل سے دریافت کیا : "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

پاگل نے جواب دیا : "اس کمبخت جمہوری نظام کی وجہ سے۔"

اس شخص نے پوچھا : "وہ کیسے؟"

پاگل نے جواب دیا : "لوگ کہتے کہ میں پاگل ہوں اور میں کہتا تھا کہ لوگ پاگل ہیں۔"

اس شخص نے پوچھا : "پھر کیا ہوا؟"

پاگل نے جواب دیا : "ان کے حق میں ووٹ زیادہ پڑ گئے۔"

مرسلہ : عبدالصمد برغزی، کلاں کوہاٹ

☆ --- ☆ --- ☆

استاد : اگر کوئی کالی بلی کے قریب سے گزرنے

سے گھبرائے تو اسے کیا کہیں گے؟"
جناب : "چوہا۔" شاگرد نے جواب دیا۔
مرسلہ : محمد عدیل دانش' لانڈھی کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

استاد : (شاگرد سے) "بلبل کا مذکر بتاؤ؟"
شاگرد : "جناب بلبلہ۔"
استاد : (ڈنڈا اٹھاتے ہوئے)
"اور جمع؟"
شاگرد : "جناب! ابابیل۔"
مرسلہ : رانا محمد شاہد' بورے والا

☆ --- ☆ --- ☆

ایک شخص گھریلو جھگڑوں سے گھبرا کر ایک ہوٹل میں جا بیٹھا بیرے نے آکر پوچھا۔ "آپ کو کیا چاہئے' صاحب؟"
وہ شخص بولا "ایک پلیٹ تلی ہوئی مچھلی' اور ہمدردی کے دو بول۔"
تھوڑی دیر بعد بیرے نے مچھلی کی پلیٹ لا کر میز پر رکھی اور پھر اس شخص کے کان میں کہنے لگا "یہ مچھلی نہ کھانا۔ باسی ہے۔"
مرسلہ : ثروت سلیم' کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

دو بہن بھائی کھیل رہے تھے بھائی نے کہا "آؤ ہم ریڈیو کا کھیل کھیلیں۔" بہن بولی "میں ریڈیو پر کہانی سناؤں گی۔" بھائی نے کہا "نہیں تم اناؤنسر بنو۔ میں کہانی سناؤں گا۔" دیر تک بحث ہوتی رہی۔ بہن نے کچھ دیر سوچا اور پھر بولی "اچھی بات ہے....."
"یہ ریڈیو پاکستان ہے ہمارا آج کا پروگرام ختم ہوا۔"
مرسلہ : بابر عرفان' محمد وقاص احمد' کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

شفیق الرحمٰن ایک گھر میں بطور مہمان گئے مگر صاحب خانہ گھر پر موجود نہیں تھے۔ دروازے پر ان کا چھوٹا بچہ آیا۔ منہ لٹکائے ہوئے بیزار سا بچہ۔ شفیق الرحمٰن نے اس کے والد کے بارے میں پوچھا۔ بچے نے کہا کہ "وہ شاید آجائیں آپ بیٹھئے۔" لہٰذا وہ بچہ شفیق الرحمٰن کو بیٹھک میں بٹھا کر اندر چلا گیا۔ وہاں ماں نے بچے کو سخت سست کہا اور سمجھایا کہ ہمیشہ کہتے ہیں "تشریف رکھیئے۔" تھوڑی دیر بعد وہ بچہ دروازہ کھول کر آیا اور شفیق الرحمٰن سے کہا "تشریف رکھئے" اور گھر کے اندر چلا گیا۔
مرسلہ : ممتاز حبیب صابر' کراچی

☆ --- ☆ --- ☆

ایک شخص کو ہر چیز کے بارے میں رائے لینے کی عادت تھی۔ ایک دن اس کا بیٹا فیل ہو گیا تو وہ بیٹے سے کہنے لگا۔ "بیٹا! کون سا جوتا کھانا پسند کرو گے؟"
مرسلہ : عباس حسین' کراچی

کاروں کے رسیا بے کار لوگ

میں کاروں کے آر پار دیکھ سکتا ہوں" کاروں کے رسیا۔ جانسن

الفارو میو اسپائیڈر ۱۶۰۰ صحیح معنوں میں ایک لیڈیز کار ہے

گھوڑے پر سوار "آلان" ۱۹۵۹ء کی کار "اسٹروین بورڈ بیکس" کے ساتھ۔

میری جونی ۱۹۶۷ء آسٹن ہیلی نامی کار کے ہمراہ

"ایڈرین" ۱۹۷۲ء میں کار ریس مقابلہ جیتنے والی اسپورٹس کار "ماٹرا" کے ساتھ۔

پوری دنیا کا چکر لگانے والے رابرٹ اوران کی کار

اونچی عمارت اونچا مقام

مغربی فن تعمیر کی شاہکار عمارتیں

تحریر: رخشندہ خالد

فرانس کا ایفل ٹاور

فرانس میں بننے والی ایک جدید عمارت

سمندری سیپ سے متاثر ہوکر ڈیزائن کی گئی ایک عمارت

شکاگو کی سر بفلک عمارتیں

لندن کا ایک جدید تجارتی مرکز

اپنے رہنے سہنے کے لئے گھر بنانا تو انسان کی مجبوری تھی۔ اگر گھر نہ بناتا تو کہاں رہتا۔ لیکن جب اس نے گھر بنانا سیکھ لیا تو پھر اونچی عمارتیں بنانے کا شوق چرایا۔ چنانچہ تاریخ پڑھتے ہوئے تم دیکھو گے کہ انسان کو ہر زمانے میں خوبصورت اور عالی شان عمارتیں تعمیر کرنے کا شوق رہا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی ایسی قوموں کا تذکرہ ملتا ہے' جنہیں اونچے اونچے ستونوں والی عمارتیں بنانے کا جنون تھا۔ اہرام مصر ہی کی تعمیر پر غور کرو جن کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے یا جدید عجائبات میں تاج محل کی مثال سامنے ہے۔ یہ ساری مثالیں ایک ہی حقیقت کو ثابت کرتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ عمارت سازی کا شوق انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ریت اور مٹی کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے بچے کس جذبے اور لگن سے گھروندے بنانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ انہیں گھروندے بنانا کون سکھاتا ہے؟ ظاہر ہے کوئی بھی نہیں۔ ماں تو آواز دیتی ہے کہ میرے لعل! اب گھر آجاؤ مگر بچہ ہے کہ دنیا و مافیہا سے بے خبر گھروندے تعمیر کرنے میں مگن ہے۔ فطرت کا یہی تقاضا عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے۔ کچھ لوگ تو جن میں اللہ نے صلاحیت رکھی ہوتی ہے انجینئر اور معمار بن کر اسی پیشے سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور باقی خود عمارت نہیں بناتے تو اپنے دل میں ایک اچھی سی عمارت کا مالک بننے کی آرزو ضرور دبائے رہتے ہیں۔

عمارت سازی کے شوق کو پچھلے دو ایک سو برسوں میں خاصی ترقی ملی ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں ایسے بڑے بڑے شہروں کی کمی نہیں جہاں آسمان سے باتیں کرتی عمارتیں کھڑی ہیں۔ واشنگٹن 'نیو یارک 'لندن 'ٹوکیو 'پیرس 'بمبئی 'کراچی کہیں بھی نکل جائیے۔ ان شہروں کی مرکزی شاہراہوں کے دونوں طرف اونچی اونچی عمارتیں دکھائی دیں گی۔ ان میں بعض عمارتیں اتنی اونچی ہیں کہ انہیں دیکھنے کے لیئے سڑک پر لیٹنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا اگر سر پر ٹوپی ہو تو دیکھتے ہوئے ٹوپی کے گر پڑنے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔ یہ عمارتیں نہ صرف اونچی ہیں بلکہ عمارت سازی کے فن میں تعمیرات کا نہایت نادر اور اچھوتا نمونہ بھی ہیں جنہیں دیکھ کر بسا اوقات عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

تم پوچھ سکتے ہو کہ اس قسم کی عمارتیں بنانے کا آغاز کب سے ہوا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ پچھلی صدی میں جب یورپ میں صنعتی انقلاب آیا۔ بڑی بڑی صنعتیں لگیں اور ان صنعتوں کے لگنے کے نتیجے میں آہستہ آہستہ بڑے بڑے شہر وجود میں آنے لگے تو ان شہروں میں نئی اور اونچی عمارتیں بننے لگیں۔ ابتدا میں ان عمارتوں کی تعمیر کا انداز پرانی عمارتوں ہی جیسا تھا۔ اس قسم کی

عمارتیں اب بھی کراچی اور لاہور وغیرہ میں موجود ہیں۔ جنہیں انگریز اپنے دورِ حکومت میں تعمیر کر گئے تھے۔ مثلاً سندھ ہائی کورٹ اور فیریئر ہال کی عمارت۔ یہ عمارتیں بلاشبہ بڑی مضبوط ہیں اور ان میں کشادگی اور حسن دونوں ہی باتیں ہیں۔ لیکن تم ان عمارتوں کا موازنہ مغل بادشاہوں کے زمانے کی عمارتوں سے کرو گے تو ان میں بہت زیادہ فرق نہیں محسوس کرو گے۔ لیکن پچھلی صدی میں دھات کی ٹیکنالوجی کا تعمیرات کی دنیا میں استعمال ایک نئے انقلاب کا باعث بنا۔ دھات کی یہ ٹیکنالوجی پہلی مرتبہ ۱۸۸۹ء میں پیرس میں ایفل ٹاور کی تعمیر میں استعمال کی گئی۔ پھر دھات، کنکریٹ اور اسی طرح کے دیگر سامان کا جب تعمیرات میں استعمال ممکن ہوا تو اس سے ایک نئی طرح کی عمارتوں کی بنیاد پڑی اور یہ تھیں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارتیں۔ جنہیں انگریزی میں اسکائی اسکریپرز (Sky scrapers) کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ سر بفلک عمارتیں (اسکائی اسکریپرز) امریکی ریاست شکاگو میں تعمیر ہوئیں۔ شکاگو میں ۱۸۷۱ء میں زبردست آتش زدگی ہوئی تھی جس میں سینکڑوں عمارتیں جل کر راکھ ہوگئی تھیں اور ان کی جگہ نئی عمارتوں کی تعمیر کی ضرورت محسوس کی جانے لگی تھی۔ ۱۸۸۰ء میں بجلی سے چلنے والی لفٹ ایجاد ہوگئی۔ لفٹ کی ایجاد سے کئی کئی منزلہ عمارتیں بنانا آسان ہوگیا۔ چنانچہ پہلی سر بفلک عمارت یا اسکائی اسکریپر ہیوم انشورنس بلڈنگ تھی جو ۱۸۸۳ء تا ۱۸۸۵ء کے دوران تعمیر ہوئی۔ اس عرصے میں نئے نئے ماہرین تعمیرات تیار ہونے لگے کیونکہ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے بکثرت آرٹ اسکول وجود میں آچکے تھے اور یوں عمارت سازی کی دنیا میں طرح طرح کے تجربات کرنے کے لئے نئے نئے ذہن سوچ بچار میں مصروف ہوگئے۔

بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو ایک ایسا معاشرہ جنم لینے لگا جس میں عام آدمی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ صنعتی عمارتوں اور دفتروں کی وسیع پیمانے پر ضرورت محسوس ہوئی۔ اس حوالے سے تعمیرات کی دنیا میں ایک نیا انداز اختیار کیا گیا۔ اب ایسی عمارتیں بننے لگیں جس میں اس بات کا خیال رکھا جانے لگا کہ کم جگہ سے زیادہ ضرورتیں پوری ہوسکیں اور کچھ عرصے سے تعمیرات میں ایک نیا نقطۂ نظریہ سامنے آیا ہے کہ جدید انداز کو ترک کرکے دوبارہ قدیم طرزِ تعمیر کو اختیار کرلیا گیا ہے۔ گویا،

دورِ حاضر ہے حقیقت میں وہی دورِ قدیم

آیئے تقسیم کو آسان بنائیں

۱۔ کوئی بھی ایک نمبر لے لیں۔ خواہ کتنا ہی لمبا ہو۔ اگر اس کے آخر میں جفت یا (Even) نمبر آتا ہے یعنی 2، 4، 6، 8 یا صفر (0)۔ جی ہاں صفر بھی تو وہ نمبر آپ 2 سے تقسیم کرسکتے ہیں۔

۲۔ کوئی بھی نمبر لے لیں۔ اس کے اعداد کو ذرا جلدی سے جمع کریں۔ اگر یہ بھی کوئی لمبا نمبر آگیا ہے تو اس کو پھر سے جمع کریں مثال کے طور پر ایک نمبر ہے 4572806 ۔ اس کے اعداد کو جوڑیں گے تو ایک اور نمبر ملے گا جو 36 ہے۔ اب 36 کے اعداد کو بھی جوڑلیں تو یہ ہوجائے گا 9۔ اب آپ آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ 9 کو ہم 3 سے تقسیم کرسکتے ہیں اس لئے 4572806 کو بھی ہم 3 سے تقسیم کرسکتے ہیں۔

ایک اور مزے کی بات۔ اوپر والا نمبر جب ہم نے جمع کیا تھا تو اس کا مجموعہ تھا 9۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نمبر کو ہم 9 سے بھی تقسیم کرسکتے ہیں۔

۳۔ جن نمبروں کے آخر میں 5 ہو یا صفر (0) ہو۔ وہ نمبر 5 سے تقسیم ہوجاتے ہیں۔

۴۔ جن نمبروں کے آخر میں ایک صفر ہو وہ 10 سے اور جن کے آخر میں دو صفر ہوں وہ 100 سے آرام سے تقسیم ہوجاتے ہیں۔

۵۔ کوئی نمبر ایسا ہو جسے آپ 4 سے تقسیم کرنا چاہتے ہوں۔ تو اس کے آخری دو نمبروں پر نظر دوڑائیں۔ اگر وہ دو آخری نمبر 4 سے تقسیم ہوسکتے ہیں تو وہ پورا نمبر خواہ وہ کتنا ہی لمبا ہو۔ 4 پر تقسیم ہوجائے گا۔

مرسلہ : راحت صلاح الدین، کراچی

کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

محمد جاوید خالد

ناز سے تو اٹھلاتی آئی
ایسی تو نے چھب دکھلائی
آج ہیں سب تیرے سودائی
امی، ابو، بہنا، بھائی
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

تیرے ہی چرچے ہیں ہر سُو
صبح و شام ہے ہونٹوں پر تو
پھیل گئی تو مثلِ خوشبو
اور گھٹا کی طرح سے چھائی
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

جو بھی یہاں پر مرد و زن ہیں
ہلکے ہیں یا بھاری تن ہیں
تیرے ہی جلووں میں مگن ہیں
سب کے مَن میں تو ہے سمائی
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

لوگ بُرا جو تیرا چاہیں
آخر آخر دُکھ سے کراہیں
آنکھ میں آنسو لب پر آہیں

ہر دشمن نے منہ کھائی
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

تیرے خلاف جو کچھ بولیں گے
در وہ مصیبت کے کھولیں گے
آج ہنسے تو کل رولیں گے
بخت میں ان کے ہے رسوائی
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

تیری نظر میں کیا ہوں گے ہم
جب کہ صدر و وزیر اعظم
دم بھرتے ہیں تیرا ہر دم
کیسی تونے شان بنائی
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

زور چلے کیا تجھ پہ کسی کا
تیرا ہوگا بال نہ بیکا
چاہتا ہے تجھ کو امریکا
آئی ایم ایف ہے تیرا بھائی
کتنی عظیم ہے تو مہنگائی

اب میں کیا کروں؟

میں نویں جماعت کا طالب علم ہوں، میں پہلی جماعت سے لے کر چھٹی جماعت تک پہلی پوزیشن حاصل کرتا رہا، لیکن میری ان تمام کامیابیوں پر نہ تو میرے والد صاحب کبھی خوش ہوئے اور نہ ہی انہوں نے کبھی مبارک باد دی۔ اوروں کے والد تو اپنے بیٹے کے پاس ہونے پر کتنے خوش ہوتے ہیں۔

یہ سب دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا ہے اور اسی وجہ سے میرا دل پڑھائی سے بھی اچاٹ ہو گیا ہے پھر میں اس قدر احساس کمتری کا شکار رہنے لگا ہوں کہ میری دلچسپی کتابوں سے تقریباً" ختم ہو گئی ہے۔ پہلے بھی اسی لئے میں چھٹی جماعت سے نویں تک عام نمبروں سے پاس ہوتا رہا۔ کیونکہ اچھے نمبر لاتا بھی تو کون شاباشی دیتا اب میں اپنے والد کے رویے کی وجہ سے بہت ہی اداس رہنے لگا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب میں کیا کروں۔

نام نہ لکھیں ہ گڈانی ضلع لسبیلہ

دسمبر کے شمارے میں ع'ق' ر کا ایک اداس خط شائع ہوا تھا۔ ان کی اداسی کی وجہ یہ تھی کہ ان کا ایک دوست کسی بات پر ان سے ناراض ہوگیا ہے اور دونوں میں بات چیت بند ہے۔ دونوں ہی تعلقات ٹھیک کرنا چاہتے ہیں لیکن ضد اور انا کی وجہ سے کوئی پہل کرنے پر تیار نہیں ہے۔ چنانچہ دونوں کی تعلیم کا حرج ہو رہا ہے۔ اس مسئلے کے حل کے لئے ہمیں ساتھیوں کی طرف سے جو مشورے موصول ہوئے ہیں' وہ مختصراً" حسب ذیل ہیں۔

فوزیہ علوی' پٹارو۔ جو شخص تین دن سے زیادہ روز تک اپنے دوست وغیرہ سے بات نہ کرے وہ مسلمان 'مسلمان نہیں رہتا۔ آپ کو اگر اس بات کا علم ہے تو آپ کو چاہئے کہ آپ ہاتھ آگے بڑھائیں' اس سے آپ کو شرمندگی نہیں خوشی اور عزت ملے گی۔

اعجاز فاطمہ' جوہر کمپلیکس' کراچی۔ آپ کو چاہئے کہ اپنی ناراضگی ختم کردیں۔ دوستوں سے تو ویسے بھی ناراضگی نہیں ہونی چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ جاکر اپنے دوست سے ہاتھ ملالیں۔

محمد عدیل دانش لانڈھی' کراچی۔ آپ وہ واقعہ یاد کیجئے جس سے آپ کی دوستی ختم ہوگئی تھی۔ اگر آپ کا دوست معافی نہیں مانگتا تو آپ ہی مانگ لیں۔ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ دوست کو جلد منالیں کیونکہ امتحانات آنے والے ہیں۔

زاہد محمود' بوزو خیل۔ میری رائے میں ع'ق' ر صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنے دوست سے بات چیت کرنے میں پہل کریں کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس نے تین دن سے زیادہ رنجش رکھی' وہ مسلمان نہیں۔

شاہد الرحمٰن چوہدری' سرگودھا۔ آپ صلح بھی کرنا چاہتے ہیں اور ہچکچاتے بھی ہیں تو نیکی کے کام میں دیر کیسی؟ آپ کو چاہئے کہ ایک دوسرے کی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے دوست کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھادیں' ایک دوسرے کو تحائف بھجوائیں کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔

محمد رحمت اللہ بشیر قادری' گجرات۔ حکیم ابن سینا کا قول ہے :

"سچا دوست ہزار مرتبہ بھی روٹھے تو منالو"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اچھا دوست انسانی زندگی کے لئے کتنا اہم ہے اور خاص طور پر اسکول کے زمانے کا اچھا دوست تو انسان کو ساری زندگی یاد رہتا ہے۔ آپ جلدی سے اپنے دوست کو منالیں۔ دوستی رچانے کے بعد جب آپ لوگ اس واقعہ کو یاد کریں گے تو آپ کے اندر خوشی کی لہر دوڑ جائے گی۔

انعام یافتہ حل

جناب ع۔ق۔صاحب

ہمارے پیارے نبی محمد صلی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس پر سلامتی بھیجے ساتھ ہی دوسرے مسلمان پر جواب دینا فرض قرار دیا گیا۔ میں آپ کو بتاؤں کہ لفظ "السلام علیکم" ہی وہ میٹھا اور پیارا لفظ ہے کہ جس سے دلوں کی نفرتیں اور کدورتیں یک دَم ختم ہو جاتی ہیں اور دنیا کا کوئی بھی مسلمان خواہ کہیں کا بھی رہنے والا ہو اور کتنا ہی دشمن ہو مگر وہ ضرور اس کے جواب میں "وعلیکم السلام" کہتا ہے تو پھر بات آگے بڑھانے اور صلح کرنے میں کوئی مشکل ہی نہیں رہتی۔ اوّل تو آپ کے سلام کرنے ہی سے آپ کی اپنے دوست سے ناراضگی ختم ہو جائے گی اور اگر نہ ہو تو اس کے جواب دینے کے بعد آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا حوالہ دے سکتے ہیں کہ "ایک مسلمان کو یہ بات جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے" اور ویسے بھی سب سے آزمودہ نسخہ "السلام علیکم" ہی ہے۔ کیونکہ یہ میرا اپنا ذاتی آزمایا ہوا نسخہ ہے جس سے انا کی دیواریں خود ہی ڈھے جاتی ہیں۔

ملیحہ عبدالمتین' دہلی کالونی کراچی

ناصر محمود' اٹک جناب ع'ق' ر صاحب
ماں کے بعد دنیا کا عظیم ترین رشتہ دوستی کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "نیکی میں پہل کرو۔" لہٰذا آپ کو چاہئے کہ پہلے تو خود اپنی ضد چھوڑ کر اس کے ساتھ راضی ہو جائیں۔

شمیم نواز گل' پشاور۔ اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ آپ سلام میں پہل کریں آپ کا دوست آپ کو اس کا ضرور جواب دے گا اور اس طرح آپ میں ناراضگی ختم ہو جائے گی۔ پہلے دن آپ اور آپ کے دوست کوئی خاص باتیں نہیں کریں گے لیکن اگلے دن ہی آپ ایک دوسرے سے بالکل بھائیوں جیسی باتیں کر سکیں گے۔

سمیرا اقبال' کراچی۔ محترم ع'ق' ر صاحب! آپ نے اپنے دوست سے لڑائی بھی کر لی اور اب پچھتا بھی رہے ہیں۔ خیر دوستوں کے درمیان تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر اتنی اتنی باتوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

عدیل احمد عدی' کراچی آپ کو چاہئے کہ اپنے دوست کو کوئی تحفہ وغیرہ بھجوایئے اس طرح وہ آپ کا شکر گزار ہو جائے گا اور آپ سے

دوبارہ دوستی کرلے گا۔ ویسے بھی حضور اکرمؐ نے تحفہ دینے کو پسند فرمایا ہے۔

شیخ علی رضا قمر، پتوکی۔ داناؤں کا قول ہے کہ اگر تم دوست بنانا چاہو اپنے دل میں ایک قبرستان بنالو جس میں دوست کی برائیاں دفن کرسکو۔ اس سے ثابت ہوا کہ مخلص اور اچھا دوست بنانے کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے۔ اگر آپ کا دوست اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے تو آپ ہی فراخدلی کا مظاہرہ کرکے اس سے صلح کرلیں ورنہ یہ ناراضگی طوالت اختیار کرجائے گی اور آپ دنیا کی ایک انمول ترین دولت یعنی دوستی سے محروم ہو جائیں گے۔

شگفتہ صدیقی، گلبرگ کراچی۔ پیارے بھائی اچھے دوست بڑی مشکل سے بنتے ہیں۔ اسی لئے دانا لوگ کہتے ہیں کہ "ایک اچھا دوست سچے موتیوں کے ہار کی طرح ہے۔ سچے موتیوں کا ہار جتنی بار بھی ٹوٹتا ہے اسے چن کر دوبارہ پرولیا جاتا ہے اسی طرح ایک سچا دوست جتنی بار بھی روٹھے اس کو منالینا چاہئے۔"

محمد اعظم، بہاولنگر۔ ع۔ق۔ ر صاحب ضد کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ یہ ضد ہی ہمیں کتنے نقصانات پہنچاتی ہے۔ آپ ضد چھوڑ دیں اور صلح کرنے میں پہل کریں کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ مومنوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک عمارت میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔

آنکھ مچولی کا تحفہ کس کو ملا

ماہ دسمبر ۹۵ء میں ہونے والی قرعہ اندازی میں جن ساتھیوں کے نام نکلے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ انہیں ماہ جنوری ۱۹۹۶ء سے ایک سال کے لئے آنکھ مچولی جاری کیا جارہا ہے۔ ادارہ ان ساتھیوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

آفتاب حسین کرمانی، لاڑکانہ۔ شاہد حسین سومرو، جیکب آباد۔ ندیم احمد، حیدرآباد۔ امجد علی، بورے والا۔ یاور حیات، ڈیگری۔ شے حق عزیز، تربت۔ منیر احمد ساگر، کوئٹہ۔ شمس الدین، کوہاٹ۔ لال چند چواٹ، پنو عاقل۔ خدارحم بلوچ، چتکان پنجگور۔ افشاں جمیل، پشاور کینٹ۔ غلام علی ببر، دادو۔ خالد خان، پشاور۔ ذیشان علوی، ربوہ۔ محمد آصف اقبال، اوکاڑہ۔ اکرم صابر، گوادر۔ مبین احمد انڈھڑ، پنو عاقل۔ رابعہ بتول، لاہور۔ محمد اعظم، وڈاکسانہ ڈڈیاں۔ سمیعہ بشیر، اسلام آباد۔

ہیپی نیو ایئر

مُنیر احمد راشد

ہم لوگ ملاوٹ کرنا پسند کرتے ہیں لیکن زبان میں بڑے شوق سے ملاوٹ کرتے ہیں۔ اردو میں انگریزی الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ کوئی اچھی عادت نہیں۔ اس طرح زبانیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

آنکھ مچولی اس ماہ سے ایک دل چسپ اور مفید سلسلہ شروع کر رہا ہے۔ اس سلسلے کے تحت ہر بار ایک کہانی شائع کی جائے گی جس میں کثرت سے انگریزی الفاظ شامل ہوں گے۔ آپ کو ان انگریزی الفاظ کی جگہ اردو الفاظ لکھنے ہیں۔ البتہ اس کا خیال رہے کہ انگریزی کے بہت سے الفاظ اردو کا حصہ بن گئے ہیں۔ جیسے ٹیلی وژن، ریڈیو، پلیٹ فارم وغیرہ۔ ایسے لفظوں کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

مثلاً: ''عامر نے جونہی روڈ کراس کیا اس کا پاؤں سلپ ہو گیا۔ تھینکس گوڈ کہ اس وقت روڈ پر کوئی گاڑی موجود نہ تھی ورنہ شاید اسے ہوسپٹل میں ایڈمٹ ہونا پڑتا۔'' اس کا ترجمہ یوں ہوگا!

''عامر نے جونہی سڑک عبور کی اس کا پاؤں پھسل گیا شکر خدا کا کہ اس وقت سڑک پر کوئی گاڑی موجود نہیں تھی ورنہ شاید اسے ہسپتال میں داخل ہونا پڑتا!''

ذیل کی کہانی کے انگریزی الفاظ کا صحیح اور بامحاورہ ترجمہ بھیجنے والے کو انعام دیا جائے گا۔ مقابلے کی شرکت کی آخری تاریخ ۱۰ جنوری ۱۹۹۶ء ہے۔ (ادارہ)

عامر نے جونہی روڈ کراس کیا اس کا پیر سلپ ہوگیا، تھینکس گاڈ کہ اس وقت روڈ پر کوئی گاڑی نہیں تھی ورنہ شاید اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونا پڑتا۔ وہ جلدی سے اٹھا اور فٹ پاتھ کی طرف بڑھا۔ اس کی چال میں لنگڑاہٹ تھی فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اس نے شوز اتارے، سوکس نیچے کئے اور ٹخنے کو ٹٹول کر دیکھا۔ فریکچر تو نہیں تھا البتہ پین بہت تھا۔ شاید موچ آگئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ سامنے ہی ایک کلینک کا بورڈ نظر آرہا تھا۔ وہ لنگڑاتا ہوا وہاں تک پہنچا۔ ڈاکٹر نے پاؤں کے چیک اپ کے بعد بینڈیج کی اور پین کِلر دے کر سو روپے کا بل اسے تھما دیا۔ عامر کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ خاموش رہا۔ سو روپے کا نوٹ ڈاکٹر صاحب کے حوالے کرتے ہوئے اس نے دل میں دو گالیاں دیں اور منہ سے "تھینک یو" کہتا ہوا کلینک سے باہر آگیا۔

رات کے نو بج رہے تھے۔ اسے اس وقت اسد کے گھر ہونا چاہئے تھا۔ مگر اس ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ لیٹ ہوگیا۔ دراصل اسد نے ہیپی نیو ایئر کے سلسلے میں ایک پارٹی ارینج کی تھی۔ ڈنر کے بعد میوزیکل فنکشن تھا جس میں عامر کا فیورٹ بینڈ آرہا تھا اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ اسد اس کا کلوز فرینڈ تھا اور اس نے عامر کو خاص طور پر انوائٹ کیا تھا۔

عامر نے فوراً ٹیکسی پکڑی اور اسد کے گھر پہنچ گیا۔ یہاں تمام ارینجمنٹ کمپلیٹ تھا۔ لوگ بلڈنگ کے لان میں جمع تھے اور اسٹیج پر اس کا فیورٹ سنگر اپنی آواز کا جادو جگا رہا تھا۔ وہ اسٹیج کی دائیں طرف بیٹھے ہوئے اپنے دوستوں کی طرف بڑھ گیا۔

"ہیلو ایوری باڈی۔" اس نے کہا اور باری باری اپنے دوستوں سے ہاتھ ملایا۔ اس دوران اس کی نظریں اسٹیج پر اور کان گانے کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ ساؤنڈ سسٹم ونڈرفل تھا۔ فلیٹس کی وجہ سے اِیکو بھی خوب بن رہا تھا۔ یہ فنکشن رات کے گیارہ بج کر پچاس منٹ تک جاری رہا۔ اس احساس کے بغیر کہ اسی بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں ستر سالہ فاروقی صاحب دو دو سلیپنگ پلز کھانے کے باوجود سو نہیں سکے تھے۔ اس شور کی وجہ سے وہ کافی ٹینس تھے۔ ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اس فنکشن کے منتظمین کو شوٹ کردیں۔ انہوں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی مگر شور سے نجات نہیں مل رہی تھی۔ مستقل ٹینشن کی وجہ سے خدشہ تھا کہ ان کا نروس بریک ڈاؤن ہوجاتا۔

ڈاکٹرز نے انہیں کمپلیٹ ریسٹ کی ہدایت کی تھی۔ اور پچھلے دو مہینوں سے وہ ریسٹ کر بھی

"بولنے والی گھڑی"

ایک مشہور گھڑی ساز ادارے نے ایک بولنے والی گھڑی ایجاد کی ہے جس میں عام گھڑیوں کی طرح ڈائل اور سوئیاں نہیں ہیں۔ بلکہ اس کی سطح سپاٹ ہے۔ وقت معلوم کرنا ہو تو گھڑی کے اس حصے کو چھوا جائے۔ چھوتے ہی یہ گھڑی بلند آواز سے وقت بتادیتی ہے۔ اس گھڑی کا نام "البا اسٹرواٹس" رکھا گیا ہے۔

مرسلہ : آمنہ خاتون، کراچی

رہے تھے مگر اس فنکشن نے سب کئے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ بہت اپ سیٹ تھے۔ انہوں نے بڑے دکھی دل کے ساتھ اللہ سے مدد کی دعا مانگی تھی۔ "یا اللہ مجھے اس شور سے نجات دلائیے"۔ یوں بارہ بجے سے پہلے یہ شور ختم ہوگیا تھا۔ لیکن فاروقی صاحب جانتے تھے کہ یہ وقفہ عارضی ہے۔ دراصل بارہ بجے ایک دوسرا پروگرام تھا۔ فائرنگ کے ذریعے نیو ایئر کو ویلکم کرنے کا پروگرام۔ پارٹی میں شریک اکثر نوجوان سڑکوں پر نکل گئے تھے۔ خاموشی سے بارہ بجنے کا انتظار کررہے تھے۔ جونہی گھڑی کی سوئی بارہ پر آئی فضا ملے جلے نعروں اور فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ ہر طرف سے۔ دور و نزدیک سے نعروں اور فائروں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اسد کے فنکشن نے پھیل کر سارے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ فاروقی صاحب کی ٹینشن بھی سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔ اب نجانے کون کون بیمار آدمی، کون اسٹوڈنٹ ڈسٹرب ہو رہا تھا۔ مگر کسی کو کسی کا خیال نہیں تھا۔ سب دوسروں کی تکلیف کو بھول کر اپنی خوشی میں مگن تھے اور نہیں جانتے تھے کہ دوسروں کو دکھ دے کر حاصل کی گئی خوشی حقیقی خوشی نہیں ہوتی۔

تھوڑی دیر بعد عجیب سے شور کی آواز فاروقی صاحب کی سماعت سے ٹکرائی۔ لوگوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی ملی جلی آواز۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ اسد اور اس کے ساتھیوں کو پولیس نے فائرنگ کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں اریسٹ کرلیا ہے۔ شاید ان پر دہشت گردی کا مقدمہ بنے گا۔ کچھ لوگ اور زیادہ دہشت ناک خیال آرائیاں کررہے تھے۔ مگر نجانے کیوں فاروقی صاحب کو یقین تھا کہ کچھ بھی نہیں ہوگا اور بچے صبح کو بحفاظت واپس آجائیں گے۔ اب میوزیکل فنکشن کو جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے۔ فاروقی صاحب نے بھی اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سیدھی کروٹ لی اور سونے کی دعا پڑھتے ہوئے کمبل سینے تک کھینچ لیا۔

قارئین کے منتخب خطوط

فاطمہ عارف، میمونہ عارف، فیصل کالونی کراچی۔ آج سے پہلے اس رسالے سے کوئی شکایت نہ تھی مگر اب یہ شکایت ہے کہ یہ مارکیٹ میں ۸، ۶، ۵ اور ۴ تاریخ کو آتا ہے۔ اتنی دیر کیوں؟ دسمبر کا شمارہ کافی خوبصورت ہے۔ ○ ۔ کراچی میں مسلسل ہڑتالوں کی وجہ سے رسالے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔ معذرت خواہ ہیں۔ **سید فرحان احمد، حیدر آباد۔** زندگی کا ایک اور سال ختم ہوگیا۔ بہت سے لوگ ہم سے جدا ہو گئے۔ اس مرتبہ کا ٹائٹل خوبصورت تھا۔ سبھی کہانیاں بہترین تھیں۔ **ثروت، بوہرہ پیر، کراچی۔** دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ کہانیوں میں "سائی پے رس" "بلاعنوان" "ادھوریں تصویریں" اور کرسمس کا تحفہ" بہت پسند آئیں۔ لطائف بہت اچھے تھے۔ **محمد حسن عارف خان، شاہ فیصل کالونی، کراچی۔** نیا سال آپ کو بے حد مبارک ہو۔ خدا کرے یہ سال آپ کے لئے، قارئین کے لئے اور پورے پاکستان کے لئے اچھا اور خوشیوں سے مزین ہو۔ دسمبر کے شمارے میں اچھی تحریروں کا چناؤ غضب کا تھا۔ فرخندہ حنا، حفصہ صدیقی، حسین علی آرائیں، سہیل احمد

صدیقی، عبدالستار خان طاہر اور شگفتہ شمیم کی تحریریں رسالے کو دل چسپ بنانے میں کامیاب رہیں۔ **امجد حسین چھندی،** "مقتول بچے نمبر" کے لئے خصوصی کہانی "اس کی کہانی" ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ شائع کر کے شکریہ کا موقع دیں گے۔ ویسے مکھن نہیں بلکہ دل کی بات ہے آنکھ مچولی اچھا مواد شائع کرتا ہے۔ ○ ۔ فرض کیجئے آپ کی کہانی شائع نہیں ہوئی تو کیا پھر بھی آپ کی یہی رائے رہے گی؟ **محمد نعمان ایوب، بھمبر آزاد کشمیر۔** آنکھ مچولی کا "خوفناک نمبر" پڑھا دل کو بہت اچھا لگا۔ پرائڈ آف پوزیشن کے لئے سند بھیج رہا ہوں۔ ○ بھئی ضروری بات یہ ہے کہ پرائڈ آف پوزیشن کے سرٹیفکیٹ ختم ہو گئے ہیں اس لئے ذرا انتظار کرنا پڑے گا۔ جونہی چھپ کر آئیں گے، پرائڈ آف پوزیشن ارسال کر دیا جائے گا۔ یہ اطلاع سب ساتھیوں کے لئے ہے۔ **آغا ثروت حسن، کراچی۔** میں نے چند کہانیاں لکھی ہیں۔ کیا آپ ان کہانیوں کے لکھنے کا معاوضہ دیتے ہیں۔ نہ ادیب ہوں اور نہ دانشور بس شوقیہ لکھتا ہوں۔ برائے کرم اطلاع دیجئے کہ کہانیاں روانہ کروں یا نہ کروں۔ ○ ۔ ہر تحریر کے چھپنے کے دو تین ماہ بعد معاوضہ ارسال کر دیا جاتا ہے۔ آپ بے شک ادیب یا دانش ور نہ ہوں لیکن تحریر اچھی ہونا چاہئے۔ **سید کاشف حسین کاظمی، گلگت۔** ہمارے شہر میں رسالہ دیر سے پہنچتا ہے۔ اس کے لئے آپ کچھ کیجئے۔ ○ آپ نے جتنی تاخیر لکھی ہے رسالے کو پہنچنے میں اتنی دیر نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ جہاں سے رسالے خریدتے ہیں ان سے پوچھئے۔ ممکن ہے وہ ایجنٹ سے رسالہ دیر سے لے کر آتے ہوں۔ **سعدیہ عزیز، پٹارو۔** اس بار سب کہانیاں بے مثال تھیں۔ خاص طور پر "کرسمس کا تحفہ" "ایک بلا جہاز میں" اور "سائی پے رس۔" کیا یہ دونوں کہانیاں سچی تھیں۔ ○ کہانیوں میں کچھ نہ کچھ سچائی تو بہرحال ہوتی ہے۔ **علی نواز خان، بلوچ مکران۔** فن مصوری کا کوئی نیا سلسلہ شروع کیجئے۔ میں آنکھ مچولی کا خریدار کس طرح بنوں۔ ○ ۔ مشورہ نوٹ کر لیا گیا ہے۔ سالانہ خریداری کی رقم منی آرڈر کر دیجئے۔ **بینش سحر خان (؟)۔** ناقابل اشاعت کی فہرست میں میرا نام سحر کے بجائے سر چھپ گیا ہے۔ ایک نظم بھیج رہی ہوں۔ ○ ۔ اس غلطی کے لئے معذرت خواہ ہیں ۔ شاعری کے لئے ابھی اور محنت کی ضرورت ہے۔ **نشاط مرینہ، ملتان۔** ایک مسئلہ بڑا اہم ہے۔ قومی دن کے موقع پر لوگ قومی پرچم کی جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ لیکن بعد میں یہ جھنڈیاں زمین پر پڑی رہتی ہیں کچھ لوگ ان کی بے حرمتی کے خیال سے اسے اکٹھا کر کے لگا دیتے ہیں میں پوچھتی ہوں آخر ہماری قوم اپنے پرچم کا احترام کرنا کب سیکھے گی؟ ○ ۔ جس دن یہ قوم واقعی قوم بن جائے گی۔ **ندیم اختر عقیل کندری، جیکب آباد۔** میری چھوٹی سی تجویز ہے کہ آنکھ مچولی میں اگر "سائنس کارنر" کے عنوان سے جدید ٹیکنالوجی اور طب کے میدان میں جو پیش رفت ہو رہی ہے اور جو نئی نئی ایجادات سامنے آ رہی ہیں، ان کے بارے میں ایک نیا سلسلہ شروع کیا جائے تو سائنس سے دل چسپی رکھنے والوں کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ ○ ۔ یہ چھوٹی سی تجویز تو بہتر ہے۔ ویسے اس طرح کے مضامین اور رنگین فیچر ہم پابندی سے شائع کرتے رہتے ہیں۔

مظہر اقبال ساجد، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ "خوفناک نمبر" کی قیمت آپ نے ۳۵ روپے رکھ دی۔ ذرا سوچئے کہ ہم جیسے غریب بچے اتنا مہنگا رسالہ کیسے خرید سکتے ہیں۔ آپ نے صدر اور وزیر اعظم کو خط لکھنے کے لئے کہا۔ ہم چھوٹے بچوں نے انہیں خط بھی لکھے لیکن رسالے کی قیمت کم نہیں ہوئی بلکہ بڑھ گئی۔ آپ ذرا سوچئے ہم جیسے چھوٹے بچوں کی کون سنتا ہے۔ آپ سے میری التجا ہے کہ آپ قیمت کم کردیں نہیں تو رسالہ ختم کردیں۔ اتنا اچھا رسالہ ہے، آپ اسے ختم نہیں کرسکتے تو اسے پھر امیروں کے بچے ہی خرید سکیں گے۔ ○ ۔ آپ کے جذبات کا ہمیں احساس ہے اسی لئے ہم نے آپ کا تقریباً" پورا خط چھاپ دیا۔ آپ نے خود لکھا ہے کہ آلو ۱۶ روپے کلو بک رہا ہے تو رسالے کا خاص نمبر ۳۵ روپے میں کیوں نہ بکے۔ **محمد عباس خان کورائی بلوچ، گڈو بیراج۔** جب سے "خوفناک نمبر" پڑھا ہے، مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی۔ یہ خوفناک نمبر، پچھلے خوفناک نمبر سے بہت اچھا تھا۔ اور قیمت کے لحاظ سے سستا اور اچھا تھا۔ ○ ۔ کمال ہے آپ کو سستا لگا بہت سوں کی تو قیمت کی وجہ سے نیند اڑ گئی۔ **سید عدیل پرویز، مظفر آباد۔** انتظار کی بھی حد ہوتی ہے۔ لیکن رسالہ آیا تو شروع سے آخر تک پڑھ کر مزہ آگیا۔ **وقاص بدر بہادر جنگ، گجرات۔** آنکھ مچولی میں جوش و جذبے والی بہت سی کہانیاں ہوتی ہیں۔ اللہ کرے یہ اور پھلے پھولے۔ لیکن قیمت کم کردیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ **عبدالاحد، لاہور۔** آپ ہر طرح کے نمبر نکال چکے، اب "عجوبہ کہانی نمبر" اور "خزانے کی تلاش نمبر" نکالئے **سعد شبیر، تربیلہ۔** ایک نظم بھیج رہا ہوں۔ سنا ہے آپ معاوضہ بھی دیتے ہیں کتنا دیتے ہیں اور کیوں دیتے ہیں؟ ○ ۔ کیا آپ کو معاوضہ دینے پر اعتراض ہے؟ **فیصل سلطان، مالاکنڈ ایجنسی۔** میرے بڑے بھائی عابد سلطان اکثر آنکھ مچولی کے لئے لکھتے رہتے ہیں اب میں بھی اپنی تحریر بھجوا رہا ہوں۔ ○ ۔ خوش آمدید۔ عابد سلطان کیا اب بڑے ہوگئے؟ کیا اب وہ بچوں کے لئے نہیں لکھیں گے؟ **ساجد الرحمٰن چوہدری، سرگودھا۔** آپ ہر صفحہ پر رسالے کے نام کے ساتھ مہینہ بھی شائع کیا کریں تاکہ سرورق پھٹ بھی جائے تو آسانی سے معلوم ہوجائے کہ رسالے کس ماہ کا ہے۔ ○ ۔ تجویز اچھی ہے۔ غور طلب ہے۔ **پرنس عادل محمود، اٹک۔** خوفناک نمبر دیکھ کر مایوسی ہوئی۔ کیونکہ میری کہانی شامل نہیں تھی۔ آخر کیوں؟ ماسک کا تحفہ دے کر دوسروں کو ڈرانے کا خوب موقع فراہم کیا۔ ○ ۔ بھئی کوئی کہانی شائع نہ ہو تو کوئی وجہ تو ہوتی ہی ہوگی نا۔ وہی معیار والا مسئلہ۔ **مسعود احمد سومرو، گڈو بیراج۔** رسالہ تاخیر سے ملنے کی وجہ سے ہم ہر دفعہ اس کے سلسلوں میں حصہ لینے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ **محمد عدیل دانش، لانڈھی کراچی۔** دسمبر میں شگفتہ شمیم، عبدالرشید فاروقی، محمد اسحاق منصوری، ابوالنظہران اور سب سے زیادہ شہناز بانو کی تحریر پسند آئی۔ انکل! آپ نے میرے سارے لطائف دبا رکھے ہیں۔ کب شائع کریں گے۔ ○ ۔ معیاری ہوئے تو باری آنے پر۔ **رئیس ظہور، کراچی۔** میرے لطیفے اور کہانیاں شائع نہیں ہوئیں تو ناراض ہوجاؤں گا۔ ○ ۔ بھئی اس شہر میں دو ایک آدمی تو ایسے ہونے چاہئیں جو ناراض نہ ہوتے ہوں **عبدالرافع شیخ،**

شہداد کوٹ۔ میری کہانیوں کا کیا بنا؟ تازہ کہانی "محنت کی کمائی" بھیج رہا ہوں۔ **امر کلپنا، ڈگری (سندھ)۔** پہلی بار خریدا تھا تبھی اچھا لگا تھا، جب سے آج تک پابندی سے پڑھتا آرہا ہوں۔ "خوفناک نمبر" واقعی خوفناک تھا۔ **محمد ندیم اختر، لیہ۔** "خوفناک نمبر" بھجوادیں میں نے اس کے لئے ایک کہانی بھیجی تھی۔ ○ ۔ کہانی نہ چھپی ہو تو بھی۔ **ہما شریف، کراچی۔** "خوفناک نمبر" میں سب سے اچھی نظم "محمد علی انصاری" کی تھی۔ "ہوا یوں کہ" میں عبدالمجید صاحب نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ان کے ساتھ اس برسات میں پیش آیا اور پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ مالی بابا کو فوت ہوئے دو سال ہو چکے ہیں۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ **آنسہ تبسم سوات۔** آنکھ مچولی کو بہت پسند کرتی ہوں لیکن "خوفناک نمبر" بہت مہنگا تھا۔ **حافظ عبیداللہ انور، چونیاں، قصور۔** اللہ سے دعا ہے کہ آپ کا سایہ ہم پر دیر تک رکھے تاکہ آپ اسی طرح کے چٹ پٹے خصوصی نمبر شائع کرتے رہیں۔ ○ ۔ آمین۔ **ممتاز علی، جہلم۔** شہزاد خان کستوری کا سروے "ٹی وی ہمارا مستقبل تاریک کر رہا ہے" بہت پسند آیا۔ یہ سروے ٹی وی حکام کے لئے باعث شرم ہے۔ **ارشد نواز، کوہاٹ۔** خوفناک نمبر میں محمد علی انصاری کی نظم اور عادل منہاج اور فصیح باری خان کی کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ **عدیم اختر، میرپور خاص۔** "آنکھ مچولی" میں محمد عظیم قریشی کی ایک کہانی "قتل جج نے کیا تھا" کسی پچھلے رسالے میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کہانی ایک دوسرے رسالے میں چھپ چکی ہے؟ اس کا تراشا بھجوا رہا ہوں۔ ○ ۔ بھئی بات یہ ہے کہ یہ کہانی انگریزی سے ترجمہ ہے۔ ترجمہ اگر دوبارہ شائع ہو جائے تو اسے نقل نہیں کہتے، غلطی کہہ سکتے ہیں۔ ■

آنکھ مچولی آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔ ہماری کاوش آپ تک اور آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

ہمارے معاون ہمارے مددگار

صوبہ سرحد و پنجاب میں "آنکھ مچولی" کے ایجنٹ

۱ ــ افضل نیوز ایجنسی	پشاور	۶۲۵۱۵	۱۰ ــ طاہر نیوز ایجنسی	جہلم	
۲ ــ سلطان نیوز ایجنسی	لاہور	۵۸۲۳۹	۱۱ ــ چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یار خان	۴۲۶۲۶
۳ ــ راولپنڈی نیوز ایجنسی	راولپنڈی	۵۵۵۶۱۹	۱۲ ــ مسلم بک ڈپو	سرائے عالمگیر	
۴ ــ اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان	۴۳۳۱۰	۱۳ ــ رحمت بک اسٹال	اوکاڑہ	
۵ ــ فیض بک ڈپو	فیصل آباد	۲۷۴۰۶	۱۴ ــ رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ ضلع بہاولنگر	
۶ ــ اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ		۱۵ ــ ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ	۸۷۹۸۹
۷ ــ سعید بک اسٹال	گجرات	۳۶۳۹	۱۶ ــ سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال	
۸ ــ پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال	سرگودھا	۶۲۹۵۱	۱۷ ــ اسلامی نیوز ایجنسی	وہاڑی	۲۸۸۹
۹ ــ خالد بک اسٹال	گجرات	۳۷۳۱	۱۸ ــ کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور	۲۹۵۷

خط و کتابت کے لیے سرکولیشن مینجر ماہنامہ آنکھ مچولی، ا۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

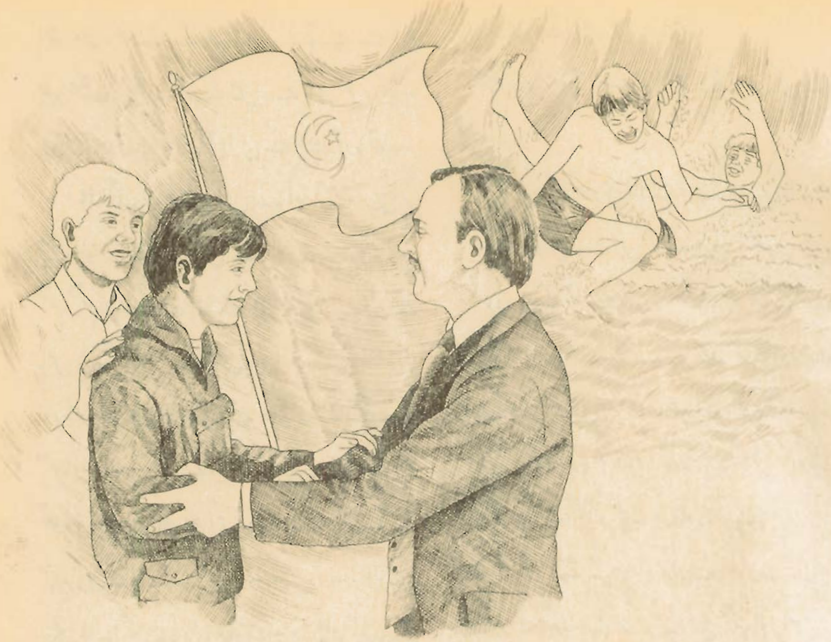

واپسی

علی اکمل تصور

وہ اپنے بستر پر اوندھے منہ لیٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو تکیے کو بھگو رہے تھے۔ کمرے میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور اس کے سسکنے کی آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونج رہی تھی۔ ایسے میں راہداری میں قدموں کی آواز گونجی اور پھر کوئی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ دوسرے ہی لمحے کمرے کا بلب روشن ہوگیا۔

"صابر بیٹے ---پاپا آپ کو نیچے کھانے کی میز پر یاد کررہے ہیں ----" ایک بزرگ صورت آدمی اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا اور باتھ روم میں چلا آیا۔

ہاتھ منہ دھونے کے بعد اس نے تولیے سے اپنا چہرہ خشک کیا اور کمرے میں سے باہر نکل آیا۔ بزرگ صورت آدمی بھی اس کے پیچھے آرہا تھا۔

ڈائننگ روم میں اس کے ابو ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے موجود میز پر قسم قسم کے کھانے چنے ہوئے تھے۔وہ خاموشی سے ابو کے پاس بیٹھ گیا۔ ابو نے اس کی پلیٹ میں کھانا ڈالا اور پھر وہ دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔

"صابر ۔۔۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے ۔۔۔؟"

تھوڑی دیر بعد ہی ابو اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولے۔ "ابو ۔۔۔ میں ۔۔۔ ابو میں یہاں اپنے گھر میں رہنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے ساتھ پاکستان جانا نہیں چاہتا۔۔۔۔" اس نے سر جھکائے جواب دیا۔

"سنو بیٹے ۔۔۔۔ تمہارا گھر اس ملک میں نہیں ہے۔ پاکستان میں ہے ۔۔۔ اور پھر ہم تین ماہ بعد ہی واپس آجائیں گے۔ تمہارے دادا ابو بیمار ہیں۔ مجھے ضروری جانا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی چلو ۔۔۔پاکستان کی سیر کرو۔ دادا دادی اور دوسرے رشتہ داروں سے ملو۔ یہاں تنہا رہ کر تم کیا کرو گے ۔۔۔۔۔۔؟" ابو نرمی سے کہتے چلے گئے۔

"ابو مجھے نہیں جانا ۔۔۔۔ میں نہیں جاؤں گا ۔۔"

اس نے انکار میں سرہلایا۔

"تمہیں جانا ہو گا ۔۔۔۔" ابو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کل صبح ہماری فلائٹ ہے۔ تیار رہنا ۔"

ابو کی بات سن کر صابر کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے تیرنے لگے۔ پھر کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ وہ بہت اُداس تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ بالکونی میں کھڑا رہا۔ سڑک پر گاڑیوں کا ہجوم تھا۔ جب گاڑیاں دیکھ دیکھ کر وہ تھک گیا تو ایک بار پھر وہ اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ اتنے میں وہی بزرگ صورت آدمی ایک بڑا سا بیگ لے کر کمرے میں آگیا اور اس کی ضروری چیزیں پیک کرنے لگا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ سو گیا۔

ابھی پندرہ منٹ گزرے تھے کہ راہداری میں قدموں کی آواز گونجی "سامان پیک ہو گیا ۔؟"

"جی مالک۔"

بزرگ آدمی نے سرہلاتے ہوئے کہا۔

"میں آج صابر کے پاس سوؤں گا۔ کل ہمیں روانہ ہونا ہے۔ ہمارے بعد گھر کا خیال رکھنا۔"

"جی مالک ۔۔۔" اس نے ایک بار پھر سرہلادیا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ابو صابر کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ اس کی پیشانی پر بال

بکھرے ہوئے تھے۔ ابو نے ہاتھ بڑھا کر پیشانی پر موجود بال ہٹائے اور پھر جھک کر اسے پیشانی پر بوسہ دیا۔

"بیٹے ہم امریکہ میں رہتے ہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم خالصتاً" امریکی بن جاؤ۔ تمہیں اپنے کلچر سے متعلق بھی معلومات ہونی چاہئیں۔"

ابو اتنا کہہ کر اس کے پاس ہی لیٹ گئے۔ اور پھر انہوں نے اپنی آنکھیں موندلیں۔

"دوسری صبح بوڑھے ملازم نے ان دونوں کو اٹھا دیا۔ پھر وہ دونوں تیار ہو کر ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ ابو تقریباً" پندرہ سال بعد وطن واپس لوٹ رہے تھے۔ اس لئے وہ بہت خوش تھے۔ لیکن صابر اداس تھا۔ اس کے ابو بہتر مستقبل کی تلاش میں امریکہ آئے تھے اور پھر یہیں پر آباد ہو گئے تھے۔ صابر کی امی اس کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ ابو نے اسے ہر سہولت مہیا کی تھی اور وہ پُرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ لیکن چند دنوں پہلے ٹیلی فون پر اس کے چاچو نے ابو کو بتایا تھا کہ دادا ابو بہت بیمار ہیں۔ واپس آجایئے۔ اور ابو بے قرار ہو کر ہر بات کو فراموش کر کے وطن واپس لوٹ رہے تھے۔

ابو اسے اپنے ہمراہ لیے تمام معاملات سے فارغ ہو کر جہاز میں آکر بیٹھ گئے۔ اور پھر جہاز فضا میں بلند ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

پھر جانے کتنا وقت گزر گیا۔ جہاز اپنے مخصوص راستوں پر پرواز کرتا ہوا پاکستان کی پاک فضاؤں میں داخل ہو گیا۔ صابر اپنی نشست پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ ایسے میں جہاز کی دیوار میں موجود اسپیکر پر ایک آواز ابھری۔ "خواتین و حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اپنی اپنی سیٹوں کے ساتھ موجود حفاظتی بند باندھ لیں۔ ہم جلد ہی کراچی ایئر پورٹ پر اترنے والے ہیں۔" ایئر ہوسٹس کا اعلان سنتے ہی تمام مسافروں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ اور پھر تھوڑی ہی دیر میں جہاز غوطہ لگا کر ایئر پورٹ کی سڑکوں پر اتر گیا۔ ایک سیڑھی جہاز کے دروازے پر لگ گئی۔ صابر کے ابو صابر کے ہمراہ سب سے آخر میں جہاز سے نکلے۔ انہوں نے اچانک ہی ایک خاص قسم کی خوشبو اور تحفظ کا احساس اپنے وجود میں محسوس کیا۔ لیکن صابر جذبات کی حرارت سے بے خبر اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ پھر تمام مسافر آرام دہ بس میں بیٹھ کر ایئر پورٹ کی عمارت کی طرف روانہ ہو گئے۔

معمول کی چیکنگ سے نجات پاتے ہی ابو صابر کو لئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ باہر بہت سے شناسا چہرے ان کے منتظر تھے۔ پھر جیسے عید ملنے کا سماں پیدا ہو گیا۔ صابر کے لئے یہ

مناظر عجیب و غریب تھے۔ امریکہ میں اس کے ابو نے اسے کبھی گلے سے نہیں لگایا تھا اور یہاں اجنبی لوگ ایک کے بعد ایک اس سے گلے مل رہے تھے۔ اچانک ایک بوڑھی عورت نے اپنے ہاتھوں کا سایہ اس کے سر پر کر دیا۔ اور پھر اسے پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کانپتی آواز میں بولی۔

"بیٹا صابر ۔ ۔ ۔ مجھے پہچانا ۔ ۔ ۔" صابر نے انکار میں سر ہلا دیا۔ اس نے نم آنکھوں سے صابر کی طرف دیکھا۔ اتنے میں ابو صابر کے پاس چلے آئے۔

"بیٹے یہ تمہاری دادی اماں ہیں ۔ اور میری امی ۔ ۔ ۔" ابو کی بات سن کر صابر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور پھر اپنی انگلیوں سے بال سنوارنے لگا۔

"ابو کیسے ہیں ۔ ۔ ۔ ؟" صابر کے ابو نرم انداز میں دادی اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب ٹھیک ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ تمہارے منتظر ہیں ۔"

دادی اماں سر جھکائے دکھ بھرے لہجے میں بولیں اور پھر وہ سب ایک بڑی سی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

گاڑی جلد ہی شہر کی پر ہجوم سڑکوں سے نکل کر کراچی کے مضافات میں سفر کرنے لگی۔ تین گھنٹے گزر گئے اور پھر ایک گاؤں کے آثار نظر آنے لگے۔ اگلے پندرہ منٹ میں گاڑی ایک حویلی کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔

خاندان کے بچوں نے صابر کو گھیر لیا اور بڑوں نے ابو کو باتوں میں لگا لیا۔ حویلی میں ایک ڈاکٹر بھی موجود تھا۔ ابو ڈاکٹر سے ملے اور بولے۔

"والد صاحب کو کیا مرض ہے کیا انہیں علاج کے لئے دوسرے ملک لے جائیں؟"

ڈاکٹر ان کی بات سن کر مسکرانے لگا۔ اور پھر بولا۔

"ضمیر صاحب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے والد صاحب کسی مرض میں مبتلا نہیں ہیں۔ انہیں شاید آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کی توجہ سے وہ بغیر کسی دوا کے صحت یاب ہو جائیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ڈاکٹر کی بات سن کر ابو نے سر ہلا دیا۔ اور پھر دادی اماں کے ہمراہ ان کے کمرے میں چلے آئے۔ وہ پلنگ پر لیٹے چھت کو گھور رہے تھے۔

"ابو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" انہوں نے نرم آواز میں کہا۔ آواز سنتے ہی وہ اٹھے اور لڑکھڑاتے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔ صابر بھی کمرے میں چلا آیا تھا۔ صابر کے ابو نے انہیں آگے بڑھ کر سہارا دیا اور پھر انہوں نے صابر کے ابو کو اپنی کمزور بانہوں میں دبوچ لیا۔

"ضمیر۔۔۔ آئے ہو تو اب تم واپس نہیں جاؤ گے۔۔۔۔"

"جی ابو۔۔۔" انہوں نے فرمانبرداری سے سر ہلا دیا۔ پھر دن گزرنے لگے۔

صابر کو گھر میں ایک خاص اہمیت مل گئی تھی۔ نعیم، اختر اور سلطان اس کو اپنا دوست سمجھنے لگے تھے وہ تینوں صابر کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ لیکن صابر انہیں کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ایک کمرے میں بند رہتا تھا۔ نعیم، اختر اور سلطان اچھے خاصے سمجھ دار تھے وہ جانتے تھے کہ صابر نیا ماحول قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ صابر کو اس کے خول سے باہر نکالیں گے۔ ایک دن موسم خوشگوار دیکھ کر وہ تینوں صابر کے کمرے میں چلے آئے۔ صابر کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ "صابر تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔۔۔۔" اختر نے چھوٹتے ہی حکم سنا دیا۔ صابر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا "لیکن کیوں۔۔۔؟"

"تمہیں ایک ایسی چیز دکھانی اور پلانی ہے جو تم نے اس سے پہلے نہ ہی تو دیکھی ہوگی اور نہ ہی پی ہوگی۔۔۔۔" اس بار سلطان نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ نعیم آگے بڑھا اور صابر کے ہاتھ سے کتاب اُچک لی۔ اور پھر اسے ہمراہ لئے کھیتوں میں چلے آئے۔ تیز ہوا چل رہی تھیں۔ اور ایک بڑے سے آم کے درخت کے نیچے بنی جھونپڑی میں سے عجیب وغریب سی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔

"یہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟" صابر حیرت سے بولا۔

"یہی دکھانے کے لئے تو تمہیں اپنے ساتھ لائے ہیں۔۔۔۔" اختر ہاتھ نچاتے ہوئے بولا اور ان کے قدم جھونپڑی کی طرف اٹھنے لگے۔ جھونپڑی کا منظر صابر کے لئے حقیقتاً "چونکا دینے والا تھا۔ جھونپڑی میں ایک سادہ سی مشین لگی ہوئی تھی۔ ایک آدمی گھومنے والے فولاد کے دو پہیوں کے درمیان صحت مند اور موٹے موٹے گنے رکھ کر دھکیل رہا تھا اور گنوں کا رس ایک بڑے سے کڑاھے میں جمع ہو رہا تھا۔ کچھ آدمی کڑاھے کے نیچے آگ جلا رہے تھے۔ اور میٹھی میٹھی مہک ہر طرف پھیلتی محسوس ہو رہی تھی۔ صابر کے منہ میں اچانک ہی پانی بھر آیا۔ سلطان آگے بڑھا اور ایک جگ میں گنے کا گرم گرم رس لے آیا۔

"لو پیو۔۔۔۔" سلطان بولا۔

"یہ کیا ہے۔۔۔ اسے پینے سے انسان بیمار تو نہیں ہو جاتا۔۔۔؟" صابر بولا۔ تینوں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"صابر جب یہ رس روزانہ پینے سے ہم بیمار نہیں ہوئے تو تم کیسے ہوسکتے ہو؟ شاباش ذرا چکھ کر دیکھو ------" نعیم نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور پھر صابر نے ڈرتے ڈرتے جگ منہ سے لگایا۔ اس نے ایک انوکھی قسم کا ذائقہ محسوس کیا اور پھر مسکرا کر ان تینوں کی طرف دیکھا اب وہ مطمئن تھا۔

"آؤ --- اب نہانے چلتے ہیں ---" سلطان خالی جگ ایک طرف رکھتے ہوئے بولا"۔

"گھر ----" صابر نے کہا۔

"نہیں ---"

"تو کیا یہاں پر کوئی سوئمنگ پول موجود ہے؟"

صابر نے حیرت سے کہا۔

"ہاں -----" اور پھر وہ تینوں اسے اپنے ہمراہ لئے ایک طرف کو روانہ ہوگئے۔ کھیتوں میں کماد کی فصل لہرا رہی تھی۔ پندرہ منٹ تک چلنے کے بعد وہ ایک چھوٹی سی نہر کے کنارے پہنچ گئے۔

"یہ ہے ہمارا پرائیویٹ سوئمنگ پول ---- اس میں نہانے کا لطف ہی کچھ اور ہے ----"

نعیم مزا لیتے ہوئے بولا۔ صابر مٹیالے رنگ کے پانی کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ "یہ پانی بہت گندا ہے۔ میں نہیں نہاؤں گا ---" اس نے پختہ لہجے میں کہا۔

"تمہاری مرضی ---" اتنا کہہ کر نعیم نے کپڑوں سمیت پانی میں چھلانگ لگادی۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے صابر کے چہرے سے ٹکرائے اور پھر ایک دوسرے کے پیچھے سلطان اور اختر نے بھی پانی میں چھلانگیں لگادیں۔ اب وہ مزے سے پانی میں نہا رہے تھے۔ شرارتیں کر رہے تھے اور صابر کا دل للچا رہا تھا۔

اس کے لئے سارا ماحول اجنبی تھا لیکن دلچسپ تھا۔ اس نے امریکہ میں ایک بے جان زندگی گزاری تھی اور یہاں پاکستان میں ایک جان دار زندگی اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اور پھر فضا میں "دھڑام" کی آواز گونجی۔ صابر نے بھی پانی میں چھلانگ لگادی تھی۔ اختر، نعیم اور سلطان نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر وہ چاروں اٹھکھیلیاں کرنے لگے۔ تین ماہ گزر گئے۔ اب صابر کو ابو کے ہمراہ واپس امریکہ جانا تھا۔ دادا ابو بہت ناراض تھے۔

"ضمیر بیٹے --- تم نے گھر واپسی پر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ واپس نہیں جاؤ گے ---" وہ کہہ رہے تھے۔

"ابو --- میں آپ کو کیسے سمجھاؤں --- امریکہ میں میرا کاروبار بکھرا پڑا ہے۔ اور پھر صابر کے اچھے مستقبل کے لئے بھی امریکہ میں رہنا

ضروری ہے۔ یہاں پاکستان میں وہ آرام و آسائش کی... زندگی نہیں گزار پائے گا۔

"تم صابر کو سامنے رکھ کر بہانہ بنا رہے ہو۔ یہاں وہ اپنے چچا زاد بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ کتنا خوش ہے---" دادا ابو بولے۔

"ابو میں جانتا ہوں کہ اس نے عارضی طور پر حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ ورنہ وہ پاکستان آنا ہی نہیں چاہتا تھا---" ابو نے کہا۔

"یہ بات ہے تو پھر امریکہ واپس جانے کا فیصلہ صابر کرے گا---" انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔ گھر کے تمام افراد کمرے میں موجود تھے۔ اور سب کی نظریں صابر پر لگی ہوئی تھیں اور صابر کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور دادا ابو کہہ رہے تھے۔

"صابر بیٹے تمہیں کوئی مجبور نہیں کرے گا۔ تم نے اپنی زندگی کے پندرہ سال امریکہ میں گزارے ہیں۔ اور صرف تین ماہ پاکستان میں رہے ہو۔ تم امریکہ میں پندرہ سال رہ کر بھی امریکی نہیں ہو۔ لیکن پاکستان میں تین ماہ رہ کر پاکستانی ہو۔ اب فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ واپس جانا چاہتے ہو یا نہیں---؟" دادا ابو اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے۔ صابر کے ابو مطمئن تھے۔ اور اس فیصلے کی گھڑی میں سب کے دل دھڑک رہے تھے۔ نعیم، اختر اور سلطان کا رنگ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ سفید پڑتا جارہا تھا۔

"بیٹے تم واپس جانا چاہتے ہو یا نہیں---؟"

دادا ابو نے ایک بار پھر اسے متوجہ کیا۔

"دادا ابو---" صابر پختہ لہجے میں بولا۔

"دادا ابو--- میری واپسی ہوچکی ہے۔ اب مجھے پاکستان میں ہی رہنا ہے----"

"کیا---؟" صابر کی بات سن کر صابر کے ابو چونک پڑے اور چند لمحوں تک کچھ سوچنے کے بعد بولے۔

"صابر تم یہاں رہنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں واپس جاؤں گا---" اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت صابر نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ابو مت جائیے---" اس نے روہانسی آواز میں کہا۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ابو جھکے اور اسے گلے سے لگالیا۔

"صابر--- امریکہ میں پندرہ سال گزارنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ جب تک ہمیں اپنے پاک وطن کی شناخت نہیں ہوگی۔ ہمارا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں نے پاکستان واپسی کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لیکن تم امریکی ماحول کا حصہ بن گئے تھے۔ پھر بھی آخری کوشش کے طور پر میں تمہیں پاکستان لے کر آیا۔ اور اللہ کا شکر

ہے کہ تم نے اپنی پہچان کو فراموش نہیں کیا' اور درست فیصلہ کیا۔ اب یہ ہے کہ میں صرف ایک بار اور امریکہ جاؤں گا اور ضروری معاملات سے فارغ ہو کر ایک ماہ تک واپس آجاؤں گا۔ ہمیشہ کے لئے ------" ابو کی بات ختم ہوئی تو صابر شکر گزار نظروں سے ابو کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

کیا آپ ناراض ہیں؟

اگر آپ

- اس لئے ناراض ہیں کہ آنکھ مچولی میں بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں ہوئی تو ذرا سوچیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟
- کیا آپ کی تحریر نقل شدہ تھی۔؟
- پہلے شائع ہو چکی تھی؟
- صفحے کے دونوں طرف اور لائن چھوڑے بغیر لکھی گئی تھی۔
- پنسل سے یا اتنے مشکل رسم الخط میں لکھی گئی تھی کہ پڑھی نہیں جا رہی تھی؟
- چھوٹے پُرزوں پر لکھی گئی تھی؟
- ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں لکھی گئی تھیں؟
- آپ کی تحریر کا اندازِ بیان، خیال اور اسلوب بچّوں کی نفسیات سے ہٹ کر تھا؟
- آپ کی تحریر مشکل اور گنجلک تھی؟
- آپ کی تحریر میں مقصدیت کا فقدان تھا۔؟
- تو پھر سوچیئے کہ آپ کی تحریر کیونکر شائع ہو سکتی تھی۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر شائع ہو تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں سے بچیں۔
- یاد رکھیے! بڑا ادیب بننے کے لئے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

ہُوا یُوں کہ...

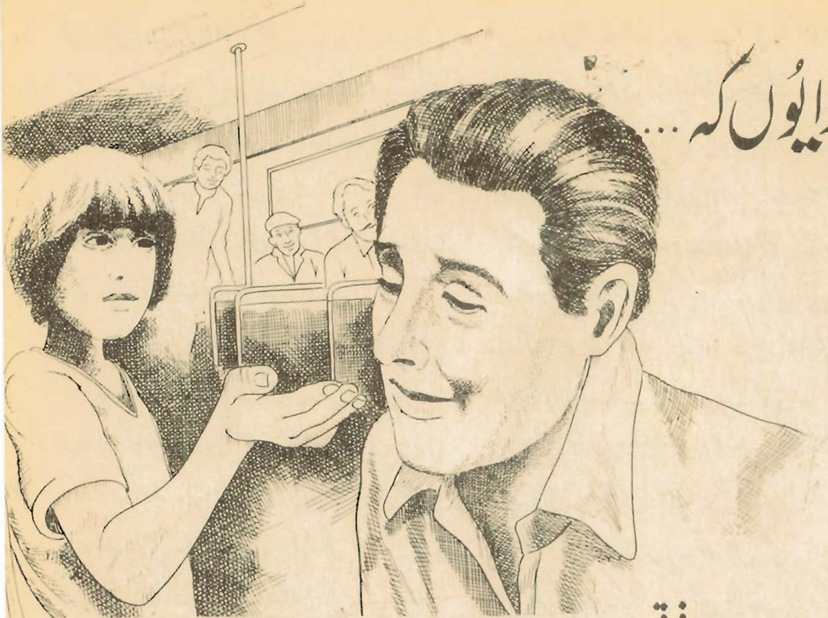

فرق

محمد ظفراللہ ضیاء۔ کمالیہ

گزشتہ دنوں مجھے ایک ضروری کام کے سلسلے میں لاہور جانے کا اتفاق ہوا اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ جب کوئی لاہور جاتا ہے تو وہ شاپنگ کے لئے انارکلی بھی ضرور جاتا ہے۔

انار کلی ایک بارونق جگہ ہے جہاں چمکتی دمکتی دکانیں اور ان میں سجی مختلف ورائٹی کی اشیا ہر شخص کو اپنی جانب متوجہ کرلیتی ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ انار کلی میں بھکاری بھی ایک بڑی تعداد میں دیکھنے کو ملتے ہیں جو قدم قدم پر آپ کو بڑی درد مند آوازیں اور جملے دہراتے نظر آئیں گے۔ دردمند اور سخی دل لوگ ان کی بے کسی اور بے چارگی سے متاثر ہو کر ان کی مناسب امداد بھی کرتے ہیں۔

ایک اسی قسم کے واقعہ نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ بیان سے باہر ہے۔ ہوا یوں کہ ایک معذور بھکاری اسی قسم کی آوازیں لگا رہا تھا۔ اچانک میری نظر سامنے سے آنے والے ایک ایسے شخص پر پڑی جو خوش لباس اور خوش شکل تو تھا ہی، مگر بیچارہ نصف بازوؤں سے محروم تھا۔ یعنی اس کے دونوں بازو صرف کہنیوں تک تھے۔ خدا جانے وہ پیدائشی طور پر ایسا تھا یا کسی بیماری اور حادثے وغیرہ نے اسے اس حالت تک پہنچا دیا

تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص نے دونوں بازوؤں کے سہارے سے اپنی جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکالا اور دونوں بازوؤں کی مدد سے نوٹ اس بھکاری کو تھمادیا اور میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن اس واقعہ کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے یوں دیکھ رہا تھا کہ جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔

سوچنے والی بات یہ ہے کہ ایک معذور شخص تو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر اپنا پیٹ پال رہا ہے اور دوسرا معذور شخص محنت سے اپنی روزی کما کر نہ صرف اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال رہا ہے بلکہ دوسرے بے سہارا افراد کی بھی مدد کررہا ہے کاش خیرات لینے والا بھکاری بھی اس معذور شخص کو دیکھ کر کوئی سبق سیکھتا۔ کاش.....!!

"اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔"
(الحدیث)

وہ خوفناک دن

سیدہ کرن، ہری پور

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب میں چار سال کی تھی۔ ہم اسلام آباد میں رہتے تھے۔ ایک روز صبح دس بجے کے قریب اچانک ہوائی جہاز کی گڑگڑاہٹ کی آواز آئی اور ساتھ ہی دھماکے شروع ہوگئے۔ ہم سڑک پر نکلے تو کیا دیکھا کہ لوگ ڈر کر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا ہورہا ہے کوئی کہہ رہا تھا کہ روس نے حملہ کردیا ہے، کسی کا کہنا تھا کہ بھارتی جہاز بمباری کررہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان دھوئیں سے بالکل سیاہ ہوگیا۔ راکٹ اور میزائل دن میں اس طرح چمک رہے تھے جیسے آسمان پر ستارے چمک رہے ہوں ہم سب بچوں اور عورتوں نے مسجد میں پناہ لے رکھی تھی اِس لئے کہ مسجد خدا کا گھر ہے اور خدا ہی ہماری مدد کرنے والا تھا۔ سب عورتوں نے اونچی آوازوں میں قرآن پاک پڑھنے شروع کردیے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس وقت میری بہن مانو ہم سے بچھڑ گئی تھی وہ ہمسایوں کے گھر میں تھی۔ وہ لوگ جس طرف بھاگے اسے بھی ساتھ لے گئے۔ میزائل سر سے گزر رہے تھے سڑک پر گر رہے تھے۔ آگے پیچھے ہر طرف میزائل ہی میزائل۔ اچانک ایک شیل کا شعلہ میرے ہونٹ پر آلگا جس سے میرے ہونٹ پر چھالے بن گئے جب میزائل پھٹنا کچھ کم ہوئے تو ہم لوگ ایک بجے کے قریب اپنے اپنے گھروں کو لوٹے تو گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا صحن شیشوں سے بھرا ہوا تھا اور گھروں میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی تھی پانی بجلی گیس کچھ بھی نہیں تھا ہر جگہ سے پائپ پھٹ گئے تھے ہمارے سامنے والی کوٹھی بالکل تباہ ہوگئی تھی ہمسائے جب واپس آئے تو ہمیں مانو بہن بھی زندہ سلامت ملی ہم نے خدا کا شکر ادا کیا! اس دن بہت

زیادہ جانی نقصان ہوا تھا لوگوں کے بچے کئی کئی دن تک گم رہے اور ٹی وی پر کئی روز تک ان کی تصویریں آتی رہیں مجھے اب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں! اسی دن ابو ہمیں اسلام آباد سے ہری پور لے گئے پھر میں اسلام آباد کبھی نہیں گئی۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ اوجڑی کیمپ کا واقعہ ہے۔

میری قابلیت کا انجام

سمیرا انگسی، کوئٹہ

ہوا یوں کہ میری طبیعت ناساز ہو گئی۔ ڈاکٹر کے پاس گئے انہوں نے کچھ ٹیسٹ کرانے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی دوائیاں بھی دیں مگر افاقہ نہ ہوا۔ ٹیسٹ کی رپورٹوں کے آنے میں تاخیر ہو گئی اسی دوران ڈاکٹر صاحب بھی ایک ہفتے کے لئے شہر سے باہر چلے گئے۔ چونکہ رپورٹیں آگئی تھیں اس لئے امی جان کو یہ معلوم کرنے کی جلدی تھی کہ کون سی بیماری ہے۔ میں نے اور امی نے رپورٹ پڑھنے کی کوشش کی مگر الفاظ صاف پڑھے نہیں جا رہے تھے مشکل سے ایک لفظ پڑھا جاسکا اور اسے پڑھتے ہی میرے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ وہ لفظ تھا (Cancer) پہلے تو یقین نہیں آیا۔ باجی کو دکھایا تو انہوں نے بھی یہی پڑھا اب تو میری حالت ابتر تھی۔ میرے سامنے کینسر سے مرنے والوں کے چہرے گھوم رہے تھے اور یہی خیال بار بار آرہا تھا کہ کینسر کے تو بہت کم مریض زندہ بچتے ہیں۔ تمام گھر پر عجیب سوگوار کیفیت چھائی ہوئی تھی جیسے میرا واقعی انتقال ہو گیا ہو۔ اسی عالم میں سات آٹھ دن بیت گئے۔ آٹھویں روز باجی نے کہا کہ ڈاکٹر کو یہ رپورٹیں تو دکھاتے ہیں۔ تب میں اور امی ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر کے پاس گئے ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد ہماری باری آئی میری آنکھوں کے سامنے بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے بڑے سنجیدہ طریقے سے رپورٹیں پڑھیں اور ایک لمبی ہوں کی۔ امی نے ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر سے پوچھا "کیا میری بیٹی کو سرطان ہو گیا ہے؟" ڈاکٹر نے کہا! "آپ سے کس نے کہا؟" تب امی نے اس لفظ پر انگلی رکھ دی ڈاکٹر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور کہا یہ لفظ (Cancer) نہیں ہے جلدی میں لکھنے کی وجہ سے آپ کو ایسا لگا۔

جب میں واپس گھر آئی تو سب لوگ انتظار کر رہے تھے ان کی رونی صورت دیکھ کر میں اتنا ہنسی کہ میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے سب پریشان تھے کہ مجھے کیا ہو گیا ہے تب امی نے کہا کہ میں تو ہوں ہی لائق فائق کچھ کا کچھ پڑھتی ہوں یہ لفظ کچھ اور تھا تب سب بہت ہنسے آج بھی ہم اس واقعہ کو یاد کرتے ہیں تو بے اختیار سب کے قہقہے نکل جاتے ہیں۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

ناقابلِ اشاعت
تحریروں کا کالم

"مکان کا راز" حسن محمود(؟)۔ "میرا محسن" عمران فیصل صدیقی' سیالکوٹ۔ "ہم بنے بے وقوف" محمد منصور شیخ' کراچی۔ "احسان کا بدلہ" عمر سلمان' اٹک۔ "روشنی" حسنین عباس' جھنگ۔ "حمد" عمران علی' نوشہرہ۔ "فلسفہ" حسن راحت' نوشہرہ۔ "نادان الو" وکیل احمد' پرانا سکھر۔ "ڈھیٹ ہڈی" ملک عادل اشرف' اٹک۔ "موت کی بستی" آصف علی خان' لاہور۔ "چڑاکو صاحب" "ملی نغمہ" سمیرا عزیز' کراچی۔ "نظم" احسن رشید' راولپنڈی۔ "مسلمان" جنید حفیظ' اسلام آباد۔ "پاکستان" محمد عامر قادری' پنڈی گھیپ۔ "انمول مرغیاں" فرقان عثمان(؟) "گھڑی ہماری" دانش جواہر کندھ کوٹ۔ "میرا پسندیدہ مشغلہ" میمونہ ساجد' کراچی۔ "کسی پر اعتبار مت کریں" عظمیٰ شفق اوکاڑہ۔ "ادھ کھلی کلیاں" چوہدری ذوالفقار علی' اوکاڑہ کینٹ۔ "جارج برنارڈشاہ" عدنان احمد' کراچی۔ "علم کی روشنی" عظمیٰ شفق' اوکاڑہ۔ "ظلم کی راتیں" طارق گلاب' پشاور۔ "بھنگیوں کی ہڑتال" محمد رضا پاکستانی (؟) "ہمارا مستقبل کیا ہوگا" شکیلہ تبسم' حافظ آباد۔ "صحبت کا اثر" فرحانہ طلعت' کنزی پاک۔ "نعت" شاہ رخ ظہور (؟) "اللہ بچائے" عظیم اختر میمن' میرپور خاص۔ "ہندوؤں کی فریاد" جنید حفیظ' اسلام آباد۔ "راشد منہاس" عندلیب زہرا' راولپنڈی۔ "کوئل اور بلبل" (؟) کراچی۔ "پیٹ کا دوزخ" یونس اسمٰعیل کھتری' نیو کراچی۔ "ضمیر کی فتح" بلقیس مریم' گوجرانوالہ۔ "مظلوم ماں" شکیل الدین ملک' کراچی۔ "یہ انسان" انصر محمود' ہری پور۔ "قائد کا احسان" نوید الحسن تابش' سانگلہ ہل۔ "پانی میں ڈھانچے" مصطفیٰ عباسی' کراچی۔ "ہمارا وطن" (؟) "آزادی کی جیت" خرسان غوری' کراچی۔ "بھوک" طارق رفیق بھٹی' اوکاڑہ۔ "دعائے سعید" غلام ربانی' نوابشاہ۔ "کھلونے والا" شکیل الرحمٰن تربت۔ "کہانی ایک بدتمیز لڑکے کی" منصور احمد تمکی' کندھ کوٹ۔ "میں گاؤں کی لڑکی ہوں" نذرانہ غفار' سوات۔ "خلیفہ ثانی" عادل حسین' کراچی۔ "بات بن جائے" محمد عثمان' اٹک۔ "اچھے بچے جیتا کرتے ہیں" کاشف ریاض' لاہور۔ "خوفناک ایجاد" عثمان عدیل' جہلم۔ "ٹارزن اور اژدھا نما بلا" نوشین ارم' کہروڑپکا۔ "جگنو" عبدالقدیر انڈھڑ' پنوں عاقل۔ "ستمگروں کی دنیا" "غدار کی نوکرانی" صائمہ عباسی' ملتان۔ "چھوٹی سی نیکی" محمد عامر علی' کراچی۔ "دولت کی ہوس" شہروز عظیم' سکھر۔ "عقلمند شہزادہ" جاوید اقبال' حیدر آباد۔ "ناکامی" شیراز طاہرہ ایبٹ آباد۔ "کارٹونیا لینڈ" محمد عادل ستار' لاہور۔ "اندھی تقلید" ندیم احمد قائم خانی' پنو عاقل۔ "فرق" عروج زہرہ' راولپنڈی۔ "سلور جوبلی" حنا زہرہ' اسلام آباد۔ "بلا عنوان" (؟) "حضورؐ کی ازواج" محمد عثمان' اٹک۔ "ہم مسلمان بھائی" اے آر عطا بلوچ' بلوچستان۔

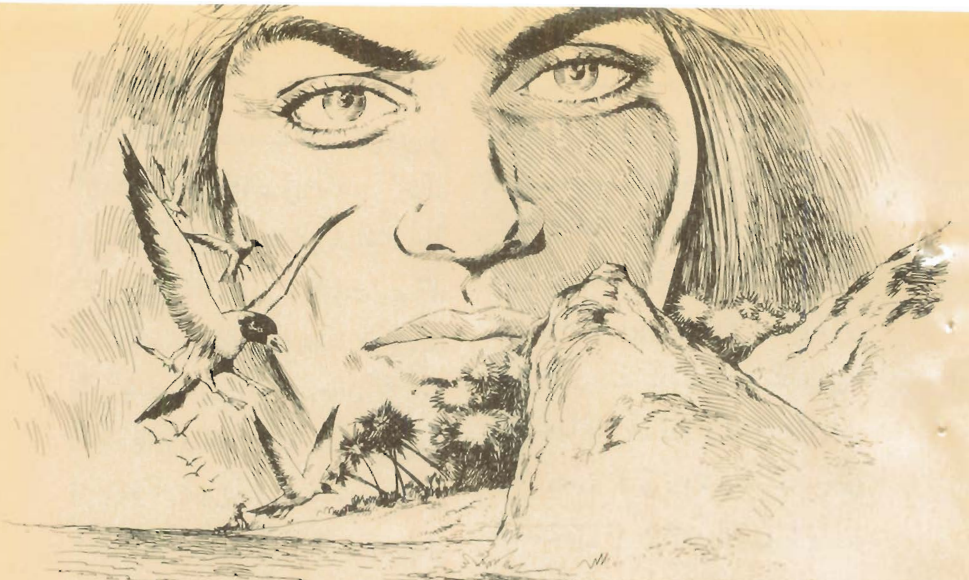

کہانی انسان کی

آخری قسط

اسحاق منصوری

ظالم بادشاہ کے ڈر سے ماں نے اپنے بچے حیّ کو ایک صندوق میں بند کر کے سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ لہریں صندوق کو جزیرہ وقواق کے گھنے جنگل میں چھوڑ آئیں۔ یہاں ایک ہرنی نے اس بچے کو اپنے گم شدہ بچے کی جگہ پرورش کرنا شروع کیا۔ وہ اسے اپنا دودھ پلاتی، گرمی سردی سے بچاتی اور پیار و محبت سے چومتی چاٹتی۔ بچہ بھی ہرنی سے بہت پیار کرتا اور ہر دم اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ تھوڑا بڑا ہوا تو اس نے جنگل کے دوسرے جانوروں کو بھی دیکھا۔ وہ ان سب کی آوازوں کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا۔ اسے بعض جانور اچھے لگتے لیکن اس کی دوستی سب سے زیادہ ہرنی کے ساتھ ہی تھی۔ جب حیّ کافی بڑا ہو گیا تو ایک دن اچانک ہرنی مر گئی۔ حیّ بڑا حیران ہوا۔ اس نے ہرنی کے مرنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اس کا آپریشن کر ڈالا۔ اسے معلوم ہوا کہ دل دھڑکنا بند کر دے تو جاندار مر جاتا ہے۔ اور دل اس وقت دھڑکتا ہے جب اس میں روح ہو۔ ہرنی کے مرنے کے بعد حیّ جزیرے کی سیر کو نکلا۔ تب ایک دن اس نے آگ کو دیکھا۔ اس نے آگ پر ایک مچھلی کو بھون کر کھایا۔ بہت مزا آیا۔ یوں وہ گوشت کھانے کا عادی ہو گیا۔ جزیرے کی سیر کے دوران حیّ کے تجربات اور غور و فکر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پھر ایک دن اسکی ملاقات اسال سے ہوئی۔ وہ اسال سے دین کی باتیں سیکھنے لگا۔

خوشی کے بعد ناراضگی : اب حی لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے لگا۔ انہیں دین کی تعلیمات اور دینی احکامات کی حکمتیں سمجھاتا۔ جب لوگوں کی دینی معلومات میں کچھ اضافہ ہوا تو انہیں اپنے خیالات اور نئے نظریات سے آگاہ کرنے لگا۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ حق کیا ہے۔ باطل کیا ہے وہ انہیں دین کا سیدھا اور صحیح راستہ دکھاتا۔ جاہل اور غلط قسم کے لوگوں نے دین کے نام پر غلط کام شروع کر رکھے تھے۔ ان سے منع کرتا۔ اب لوگوں کی نفسانی خواہشات اور دنیاوی مفادات پر ضرب پڑنے لگی تو حی کی باتوں کا برا ماننے لگے۔ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے حی پر تنقید کرنے لگے۔ وہ دل ہی دل میں سخت ناراض ہوتے تھے لیکن حیّ ان کا مہمان تھا اور سلامان کا دوست تھا اس لئے وہ منہ پر حیّ کو بُرا بھلا نہیں کہتے تھے۔ اب وہ حیّ سے دور دور رہنے لگے تھے۔

حیّ کی ناکامی : اس کے باوجود ابھی تک حیّ لوگوں سے مایوس نہیں ہوا تھا۔ وہ رات دن لوگوں کو پیار و محبت سے دین کی باتیں سمجھانے کی کوشش کرتا۔ وہ خلوت اور جلوت میں لوگوں کو بتاتا کہ دین کے حقیقی احکامات کیا ہیں اور لوگوں کی من گھڑت باتیں کیا ہیں۔ لیکن لوگ اس کی بات پر کان دھرنے کو تیار نہیں تھے بلکہ دن بہ دن لوگ اس سے دور ہوتے جارہے تھے اور دن بہ دن لوگوں میں نافرمانی اور برائی بڑھتی جارہی تھی۔ بظاہر لوگ دین سے محبت اور عشق کا اظہار کرتے تھے لیکن غلط تعلیم و تربیت' فاسد اور گندے ماحول' بری عادات' نفسانی خواہشات اور دنیا کی محبت اور کم علمی کی وجہ سے وہ حق اور دین کو اس طرح اختیار کرنے کے لئے تیار نہ تھے جو دین کا حقیقی تقاضا تھا۔ بلکہ وہ دین کو اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے۔ وہ صحیح علماء سے دین کی صحیح اور سچی باتیں سیکھنا نہیں چاہتے تھے حیّ یہ سب گمراہی دیکھ کر ان سے مایوس ہوگیا۔ اسے اصلاح کی امید نہ رہی۔

لوگوں کی گمراہی : اب حیّ نے لوگوں کے بارے میں سوچنا شروع کردیا۔ وہ ان کے بارے میں غور و فکر کرتا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ لوگوں میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے مختلف طریقے اختیار کر رکھے ہیں اور بے کار کی بحثوں میں دن رات پڑے رہتے ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں' اب وہ لوگوں سے دور رہنے لگا۔ وہ اس بات سے مایوس ہوگیا کہ لوگ سیدھے راستے پر آجائیں گے۔ کیوں کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ ہر فرقہ یہی سمجھتا ہے کہ وہی حق پر ہے لوگ آخرت سے غافل ہو چکے ہیں فنا ہوجانے والی دنیا کی حقیر چیزیں جمع کرنے میں مگن ہیں۔ یہ دیکھ کر اس کا دل دکھتا

تھا کہ ایک دوسرے سے مال و اسباب میں آگے بڑھنے کی خواہش نے لوگوں کو پاگل بنادیا ہے۔ وہ پوری زندگی مال جمع کرتے کرتے قبروں میں پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں کتنی بھی اچھی نصیحت کی جائے ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ انہیں کتنی ہی پیاری بات کہی جائے وہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اب دن بہ دن ان کی مخالفت اور نفرت بڑھتی چلی جارہی تھی۔ کوئی دلیل ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہورہی تھی۔ ان پر جہالت اور تاریکی پوری طرح چھاچکی تھی۔ گناہ کے سبب سے دل زنگ آلود ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تھے۔ اب بہت بڑا عذاب ہی ان کا مقدر بننے والا تھا۔

جہالت کی تاریکی : حق نے جب دیکھا کہ عذاب اور تباہی کے بادل ان پر چھاچکے ہیں۔ ہلاکت اور بردباری کی آگ نے انہیں گھیر لیا ہے۔ سوائے چند لوگوں کے کوئی بھی ان میں دین پر چلنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ان کی دین داری بھی اصل میں دنیا کمانے کے لئے ہے۔ وہ دین کے احکامات کو چھوڑ چکے ہیں۔ اپنی مرضی سے جس چیز پر چاہتے ہیں عمل کرتے ہیں باقی احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ آخرت کے بدلے دنیا خریدلی ہے۔ تجارت اور کاروبار میں اتنے مشغول ہوگئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوگئے ہیں۔ انہیں اس دن کا کوئی خیال نہیں جب ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر برائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ حق اب اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ اب ان پر محنت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ گمراہی کو چھوڑ کر سیدھے راستے پر اب نہیں آئیں گے۔ عوام کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ دین کے احکامات پر دنیاوی رسم و رواج کی وجہ سے عمل کرتے ہیں تاکہ ان کی دنیا کی زندگی صحیح طور پر گزرتی رہے۔ دین کے جس حکم کی دنیا کے لئے ضرورت نہیں سمجھتے اس چھوڑ دیتے ہیں۔

کامیابی کا راستہ اور بربادی کی راہ : حق نے سوچا کہ آخرت کی دائمی کامیابی حاصل کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ ان لوگوں میں سے چند ہی لوگ کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔ جو آخرت کی کامیابی چاہتا ہے اور اس کے لئے کوشش کرتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے اورجو بغاوت کی روش اختیار کرتا ہے اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے تو بھڑکتی ہوئی آگ میں اس کا ٹھکانہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کون سی مصیبت اور بدبختی ہوسکتی ہے۔ انسان اپنی پوری زندگی کو پاکیزہ بنالے صبح کی بیداری سے لے کر رات کی نیند تک اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرے تو اسے دنیا میں بھی کوئی مصیبت اور غم نہیں ہوگا اور آخرت کی کامیابی

بھی اسی کے لئے ہے۔ لیکن انسان دنیا کی گھٹیا چیزوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ مال جمع کرنے لگتا ہے خواہشات کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ تھوڑے سے فائدے اور وقتی لذت کے لئے آخرت کو بھول جاتا ہے۔ مکروفریب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ریاکاری کے لئے دین داری اختیار کرتا ہے۔ شہرت اور دنیا کے فائدے کے لئے حج کرتا ہے اور نمازیں پڑھتا ہے ایسے سیاہ اعمال ہیں جیسے سیاہ رات میں کسی سیاہ سمندر کی موجوں کے نیچے کوئی کشتی غرق ہو چکی ہو۔

کہانی کا اختتام : جب حیّ کو لوگوں کے حالات کا صحیح اندازہ ہو گیا اور وہ سمجھ گیا کہ ان کی اکثریت کی حالت حیوانوں کی طرح ہے۔ ہر کام کے لئے کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں اور جسے جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہی کام وہ شخص انجام دیتا ہے۔ حیّ نے فیصلہ کیا کہ اب اسے یہاں سے چلا جانا چاہئے کیونکہ اسے یہاں رہنے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔ اسال نے اس کے خیالات سے اتفاق کیا اب حیّ اور اسال نے لوگوں سے الوداعی ملاقات کی اور اپنے پرانے جزیرے کی طرف روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس جزیرے میں بخیر و عافیت پہنچا دیا۔ دونوں دوست اللہ کی عبادت میں اس جزیرے میں زندگی گزارنے لگے یہاں تک کہ ایک دن موت کی آغوش میں پہنچ گئے۔ پیارے قارئین! آپ یقیناً" جاننا چاہتے ہوں گے کہ جزیرے کے نافرمان لوگوں پر کیا گزری۔ وہ لوگ اس جزیرے پر اب بھی رہتے ہیں اب بھی وہ اسی طرح مال و دولت جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں، آخرت اب بھی انہیں یاد نہیں۔ وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب وہ اپنے انجام کو پہنچیں گے آیئے ہم ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔

کیا آپ انہیں اسٹیکرز کا آرڈر دے چکے ہیں؟

اگر آپ نے ادارہ آنکھ مچولی کو دعاؤں کے اسٹیکرز کا سیٹ منگوانے کے لئے آرڈر نہیں دیا تو یہ کام پہلی فرصت میں کر لیجئے۔ کیونکہ اسٹیکرز کے نئے سیٹ چھپ کر آ چکے ہیں۔ دیدہ زیب طباعت۔ وقت کی ضرورت۔

۱۲ اسٹیکرز کا ھدیہ..... صرف =/۳۶ روپے

منگوانے کا پتا:

سرکولیشن منیجر: ماہنامہ آنکھ مچولی I-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵ ۔ فون 4942857 4948210

قلم دوست

روشنی

محمد سلیم امام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرو۔ اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے درجے میں اعلیٰ ہے بلکہ اس کی طرف دیکھو جو درجے میں کم ہے۔ اس سے یہ کیفیت پیدا ہوگی کہ تم اللہ کی نعمتوں کی ناشکری نہیں کروگے۔"

ہمیں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

حمدِ باری تعالیٰ

انتخاب: محمد اظہر خان

جس نے بنائی دنیا جس نے بسائی دنیا
ہاں وہ مرا خُدا ہے
مجھ کو بھی زندگی دی تجھ کو بھی زندگی دی
ہاں وہ مرا خُدا ہے
اس نے بنائے سارے یہ چاند اور تارے
ہاں وہ مرا خُدا ہے
سورج کو روشنی دی پھُولوں کو تازگی دی
ہاں وہ مرا خُدا ہے
لیتا ہوں نام اس کا کرتا ہوں اس کی پُوجا
ہاں وہ میرا خُدا ہے

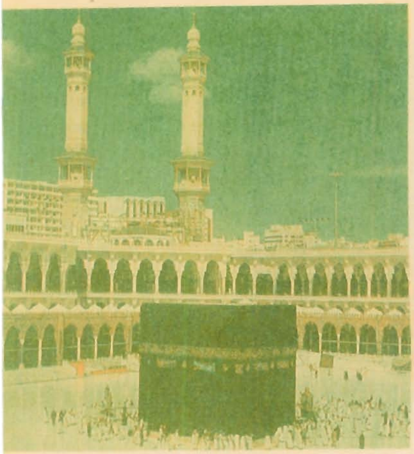

امام بخاریؒ ۱۳ شوال ۱۹۴ء بروز جمعة المبارک کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے حصول علم کی خاطر مصر، شام، کوفہ، عراق، بغداد، مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کا کئی بار سفر کیا۔ ایک دفعہ جب آپ نیشا پور (ایران) تشریف لائے تو آپ کا اتنا زبردست استقبال کیا گیا کہ کبھی کسی شہنشاہ کا بھی

امام بخاریؒ

محمد عظیم قریشی، اسلام آباد

بخاریؒ شریف کے مصنفؒ جس کا مسوّدہ ۱۲ برس کی مدت میں خانہ کعبہ میں بیٹھ کر مرتّب کیا۔

کیا ہوا ہو گا۔ امام بخاریؒ نے کئی کتابیں لکھیں مگر سب سے زیادہ مشہور کتاب "بخاریؒ شریف" ہے۔ اس کتاب کو آپ نے ۱۲ برس کی سخت محنت کے بعد مکمل کیا۔ آپ نے اس کتاب کا مسوّدہ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر مرتّب کیا۔ آپ ہر حدیث کو درج کرنے سے پہلے آبِ زم زم سے غسل کرتے پھر مقامِ ابراہیم پر دو نفل استخارہ کرتے اس طرح جب مسوّدہ مکمل ہو گیا تو آپ نے اسے دوبارہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مبارک اور منبرِ مبارک کے درمیان بیٹھ کر لکھا تاکہ غلطی کی گنجائش نہ رہے۔

بخاری شریف کی کل احادیث ۹۰۸۲ اور بلا تکرار احادیث کی تعداد ۲۶۰۲ ہے۔ اس کتاب کے ابواب کی تعداد ۳۴۵۰ ہے۔ آپ نے ابواب پہلے مرتّب کئے جس باب کے لئے انہیں کوئی معیار کی حدیث نہ ملی اس بات کا صرف نام درج کر لیا۔

آپؒ نے ۱۶ شوال ۲۵۶ء کو ثمر قند کے قریب فرنگ نامی گاؤں میں وفات پائی۔ آپ کا اصل نام محمد ابو عبداللہ بن اسماعیل بخاری ہے۔ آپ کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا۔

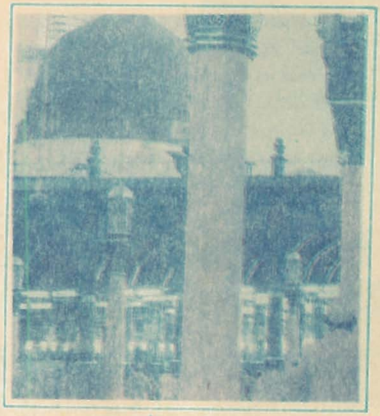

نعتِ رسولؐ

وہ حق کی باتیں بتانے والے
وہ سیدھا رستہ دِکھانے والے
وہ راہبر رہنما ہمارے
نبیؐ ہمارے نبیؐ ہمارے
درود ان پر، سلام ان پر

بُلند نبیوں میں نام ان کا
فلک سے اونچا مقام ان کا
ہمارے ہادی، خدا کے پیارے
نبیؐ ہمارے، نبیؐ ہمارے
درود ان پر، سلام ان پر

شاعر: صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

انتخاب: سیّد محمد اُسامہ، راولپنڈی

انہی کی خاطر دمک رہے ہیں
انہی کے دم سے چمک رہے ہیں
زمیں کے ذرّے، فلک کے تارے
نبیؐ ہمارے! نبیؐ ہمارے
درود ان پر، سلام ان پر

انہی کی سرکار کے گدا ہیں
انہی کے دربار کے گدا ہیں
جہاں کے یہ تاج دار سارے
نبیؐ ہمارے، نبیؐ ہمارے
درود ان پر، سلام ان پر

دوستی

محمد مرتضیٰ
کراچی

احسن کو پھول بہت اچھے لگتے تھے۔ ایک دن اس نے علی کو ایک خوبصورت پھول لا کر دیا۔ علی نے شکریہ کے ساتھ احسن سے پھول لیا۔ علی چند لمحوں کے لئے پھول کو غور سے دیکھتا رہا اسے یہ پھول بہت اچھا لگا تھا پھر کہیں زیادہ خوشی کی بات یہ تھی کہ اس کے بہت اچھے دوست نے دیا تھا۔ لیکن پھول لیتے وقت تک اسے معلوم نہ تھا کہ یہ پھول اس کے دوست کی آخری نشانی بن جائے گا۔ علی نے یہ پھول سنبھال کر رکھ لیا۔ بدقسمتی سے چند دنوں بعد احسن کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ جان سے پیارے دوست کو اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلا گیا۔ احسن کی موت سے ویسے تو سب کو بہت صدمہ پہنچا۔ لیکن علی کی تو دنیا ہی ویران ہو گئی۔

احسن کا دیا ہوا پھول خشک ہو گیا تھا اور اس کے بیج باقی رہ گئے۔ علی نے یہ بیج گھر کے باہر دیوار کے ساتھ کیاری بنا کر بو دیئے۔ کچھ عرصے بعد پودوں پر پھول کِھل گئے۔ علی انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اسے ایسا لگا کہ جیسے اس کا دوست واپس آگیا ہے۔ رفتہ رفتہ ان پھولوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور کیاری نے خوبصورت باغیچے کی شکل اختیار کر لی۔

جب علی نے میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کیا تو اس کے والدین نے اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنا چاہا مگر علی جانے کو تیار نہ تھا کیوں کہ وہ ان پھولوں کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آخر گھر والوں کی خواہش کے احترام میں وہ باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بدقسمتی سے سڑک چوڑی کرنے کی وجہ سے وہ باغیچہ ختم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے والدین نے لاکھ کوشش کی کیا باغیچہ نہ ٹوٹنے پائے مگر ناکام رہے اور باغیچہ ختم ہو گیا۔ علی کے والد نے چند پھول سنبھال کر رکھ لئے۔ علی جب واپس آیا تو وہ پھولوں کو نہ پا کر بہت رنجیدہ ہوا۔ اس نے والدین کی مرضی سے نیا گھر خریدا، اور اس میں باغیچہ بنانے کے لئے جگہ منتخب کی دوسرے دن جب علی سامان لے کر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سڑک کے ننھے ننھے گلاب پودے پھوٹ رہے تھے کچھ ہی دنوں بعد یہ پودے بڑے ہو گئے اور سرخ گلابوں سے لد گئے۔

علی نے پھولوں کو دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے پھول کہہ رہے ہوں "علی اگر تم ہم سے پیار کرتے ہو تو ہم بھی تم سے اتنا ہی پیار کرتے ہیں۔"

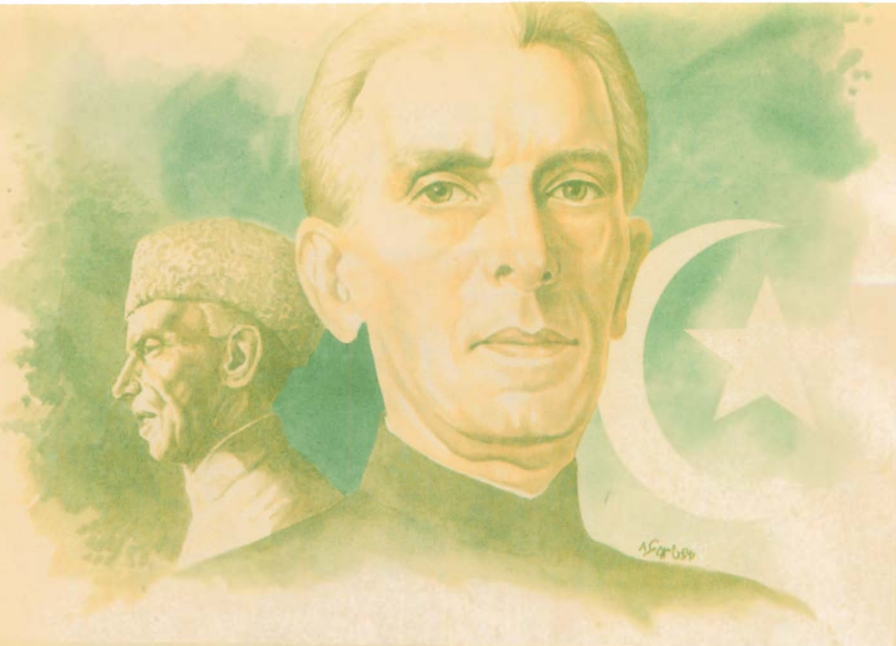

پاکستان کا پیارا پرچم

انتخاب : اسداللہ ، کراچی

پاکستان کا پیارا پرچم — چاند ستارے والا پرچم
کھلی فضا میں یہ لہرائے — اِدھر اُدھر یہ اُڑتا جائے
اپنی ہریالی دِکھلائے — اُڑتا جائے، مڑتا جائے
سبز رو پہلی رنگت والا — عظمت والا، شوکت والا
اس سے ہے پہچان ہماری — شان ہماری، آن ہماری
اس پرچم کی بات نرالی — کیسا پیارا سبز ہلالی
قائد کی محنت کا صِلہ ہے — قُربانی کے بعد مِلا ہے
اس کی ہم سب پاکستانی — کرتے جائیں گے نگرانی

کون کیا راز تھا؟

رحمان ٹاؤن کے محلے میں گھروں کے دروازوں پر وہ نشانات رات کو ڈالے گئے تھے۔ ان پراسرار نشانات نے جاسوسی کے شوقین آصف اور علی کو چونکا دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اب ہر گھر سے ایک بندہ قتل کر دیا جائے گا.... صبا ناز صدیقی اپنی اس پُرتجسس لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی دلچسپ کہانی میں پُراسرار نشانات ڈالنے والے خیالی قاتل تک قارئین کو پہنچا رہی ہیں....!!

دونوں دوست ان پر اسرار نشانات کے بارے میں سوچ رہے تھے جو ان کے محلے رحمان ٹاؤن کے چند گھروں کے دروازوں پر گذشتہ رات لکھے گئے تھے۔ ان گھروں میں آصف اور علی کے گھر بھی شامل تھے۔ کسی کے دروازے پر چاک سے "ج" لکھا تھا تو کسی پر "ب" اور بعض پر "پ" لکھا تھا۔

دونوں کو جاسوسی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ جہاں کوئی پراسرار بات ہوتی دونوں کی جاسوسی کی رگ پھڑک اٹھتی۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں ان پراسرار نشانات کو بہت اہم سمجھ رہے تھے۔ جبکہ ان کے محلے والوں اور گھر والوں نے ان نشانات کو اہمیت نہ دی۔ "یار مجھے تو یہ ڈاکوؤں کے کسی خطرناک گروہ کا کام لگتا ہے ہو سکتا ہے انہوں نے نشانی کے طور پر یہ حروف لکھ دیئے ہوں اور ان گھروں کو واردات کا نشانہ بنائیں۔" آصف نے سوچ کے سمندر سے نکلتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ وہ شخص ان گھروں میں سے کسی ایک گھر میں رہنے والے ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے جس کا نام ان حروف سے یعنی "ج، ب، اور پ" سے شروع ہوتا ہے۔" علی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "بہت خوفناک خیال ہے تمہارا۔ ویسے اس بات کا زبردست امکان ہے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ ان حروف سے کس کا نام شروع ہوتا ہے۔

اوہ............" "کیا ہوا؟" اسف کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر علی نے پوچھا۔ "ج" سے تو ج...... جواد بھائی کا نام آتا ہے۔ اور میرے گھر کے دروازے پر "ج" لکھا ہے۔" آصف نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ "او...... ہاں واقعی پھر تو جواد بھائی کی زندگی خطرے میں ہے۔ ہمیں ان کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہئے۔" علی نے بوکھلا کر کہا۔ "لیکن سب سے پہلے تو ان نشانات کو تمام گھروں کے دروازوں سے صاف کرنا ہوگا۔" علی اپنے گھر سے ایک کپڑا گیلا کر کے لے آیا۔ اور پھر دونوں نے ان پراسرار حروف کو ان دروازوں سے مٹا دیا جہاں وہ ڈالے گئے تھے۔

جواد بھائی کے کمرے میں پہنچے تو وہ حسب معمول اپنی پڑھائی میں مشغول تھے۔ "لگتا ہے آج کوئی جاسوسی معاملہ ہاتھ لگ گیا ہے۔ جبھی تو تم دونوں کی شکلوں پر اڑھائی بج رہے ہیں۔" جواد بھائی دونوں کو غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔

دونوں پہلے ہی یہ طے کر چکے تھے کہ اصل معاملے کی بھنک بھی جواد بھائی کو نہ پڑنے دیں گے ورنہ وہ ان کی بات نہیں مانیں گے۔

"آج کل موسم بہت اچھا ہو رہا ہے آپ کچھ دنوں کے لئے ظاہر چچا جان کے پاس مری چلے جائیں۔" آصف نے کہا۔ "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا اتنی سردی میں مری جا کر مجھے مرنا ہے کیا تم دونوں کو ہی یہ شوق ہوگا۔" جواد بھائی براسا

منہ بنا کر بولے۔ "مرنے کا؟" آصف اور علی نے چلّا کر پوچھا۔ "نہیں! مری جانے کا۔" "تو پھر ایسا کریں کہ خالہ جان کے ہاں حیدر آباد چلے جائیں۔" آصف نے دوسری بار اپنی ترکیب آزمائی۔ "جی ہاں! اور جو چار دن بعد میرے امتحان ہونے والے ہیں وہ آپ جا کر دیں گے۔" آصف اور علی کے رنگ زرد پڑ گئے انہیں یہ یاد ہی نہیں رہا تھا کہ چار دن بعد جواد بھائی کے امتحان شروع ہو رہے ہیں۔ آخر علی نے جواد بھائی سے کہا۔ "تو آپ یوں کریں کہ........."

"بس بس اب رہنے دو میں سمجھ گیا کہ تم لوگوں نے ضرور کوئی جاسوسی چکر چلایا ہے کتنی بار منع کیا ہے مگر تم لوگ ہو کہ مانتے ہی نہیں۔ اب مجھے ڈسٹرب مت کرو جا کر خود بھی پڑھو اور مجھ بھی پڑھنے دو۔" جواد بھائی نے غصے سے کہا۔ آخر دونوں باہر نکل آئے۔ "اب کیا ہو گا؟" آصف نے فکر مند لہجے میں کہا۔ "اب تو ہمیں ہی جواد بھائی کی حفاظت کا بندوبست کرنا ہو گا۔"

دوسرے دن صبح علی اور آصف یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کل جو نشانات انہوں نے مٹا دیئے تھے وہ آج دوبارہ لکھ دیئے گئے تھے۔ آخر علی اور آصف نے ایک ترکیب سوچی اور دونوں رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ سخت سردی کی وجہ سے علی اور آصف کے گھر کے سامنے والی سڑک رات نو بجے ہی سنسان ہو گئی تھی ایسے میں ایک سایہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہر گھر کے دروازے پر آ کر تھوڑی دیر رک کر کچھ لکھتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔ علی اور آصف گھر کی چھت پر چڑھے، یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

آصف نے سرگوشی میں کہا۔ "آؤ نیچے چل کر دیکھتے ہیں۔" علی نے کہا۔ دونوں دبے پاؤں نیچے اترے اور لڑکے کے قریب پہنچ کر آصف نے پوچھا۔ "اے تم کیا کر رہے ہو؟" لڑکے نے مڑ کر دیکھا اور نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ "میں ان حروف کو دوبارہ لکھ رہا تھا جو کسی نے مٹا دیئے ہیں۔"

"اچھا تو ہمارے گھروں کے دروازوں پر چاک سے مختلف حروف لکھنے والے تم ہو۔ تمہیں نے ہمیں دو دن سے پریشان کر رکھا ہے۔" علی نے کہا "اگر میری وجہ سے آپ لوگوں کو پریشانی ہوئی تو مجھے بہت افسوس ہے۔" لڑکے نے کہا۔ "لیکن تم کون ہو اور یہ نشانات کیوں ڈالتے ہو؟" آصف نے پوچھا۔ "میرا نام احمد ہے۔ دو دن سے میں اس محلے کے گھروں میں اخبار ڈالتا ہوں جس ایجنسی سے میں اخبار لاتا ہوں اس کے مالک مجھے نوکری دینے پر تیار نہ تھے۔ ان کے خیال میں اپنی عمر کے لحاظ سے میں اس نوکری کے قابل نہیں ہوں۔ آخر بڑی مشکل سے انہوں نے مجھے نوکری دے تو دی مگر آزمائشی طور پر۔" لڑکا کچھ دیر رکا۔ پھر فخر سے بولا۔ "میں نے ان دو دونوں میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ میں یہ کام کر سکتا ہوں

میرے مالک کو بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں اور اب انہوں نے مجھے مستقل طور پر رکھ لیا ہے۔" یہاں تک کہہ کر لڑکا خاموش ہو گیا۔ لیکن تم نے چند دروازوں کے اوپر مختلف حروف کیوں لکھے ہیں؟" آصف نے بے تابی سے پوچھا۔

" دراصل بعض لوگ روز آنہ کے بجائے ہفتے میں صرف ایک دن اخبار ڈلوانا چاہتے تھے۔ مثلاً جو لوگ جمعے کے دن کا اخبار چاہتے ہیں میں نے ان کے دروازے پر اپنی یاد دہانی کے لئے "ج" لکھ دیا۔ بعض لوگ بدھ اور پیر کے دن کا اخبار ڈلوانا چاہتے ہیں تو میں نے ان کے دروازوں پر "ب اور پ" لکھ دیا تاکہ میں ان کے گھروں میں دوسرے دن کے اخبار نہ ڈال دیا کروں۔ میرے خیال میں مجھے تین چار دن کے بعد ان نشانات کی ضرورت نہ رہے گی۔" علی اور آصف اس کم عمر لڑکے کی ذہانت پر حیران رہ گئے۔ "یقیناً تم پڑھتے بھی ہو گے؟" "جی ہاں میں ساتویں جماعت کا طالب علم ہوں اور اپنی تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے ہی میں نے نوکری کی ہے۔" اگر تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہو تو......" "آپکا بہت بہت شکریہ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اتنا کہہ کر وہ محنت کش بچہ اپنی چھوٹی سی سائیکل پر بیٹھ کر واپس چلا گیا........!!

امریکیات

انتخاب:

فہد احمد شجراہ

تشویش و اضطراب سے کہتا تھا اک مسلمان
امریکی سُنڈیاں مرے کھیتوں میں آ گئیں
میں نے کہا تجھے کھیتوں کی فکر ہے
امریکی سُنڈیاں تو ترا ملک کھا گئیں

کبھی دیکھتے تھے جو تفسیرِ قرآں
وہ اب دورِ نو کی پھبن دیکھتے ہیں
لگائی ہے لو جب سے امریکیوں سے
سنن کی جگہ سی این این دیکھتے ہیں

ہمیں کچھ ایسی چچا سام سے عقیدت ہے
کہ جیسے پیروں کے اندھے مرید ہوتے ہیں
کہیں جو کاف بھی کشمیر کا تو دہشت گرد
صومالیہ میں مریں تو شہید ہوتے ہیں

اچھا بننے کے لیئے

امرکلپنا، ڈگری سندھ

"ہیلو عقیل کیسے ہو؟" بابر نے عقیل سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہوں تم بتاؤ!" عقیل نے کہا "میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔" بابر بولا۔

"تمہاری کہانی شائع ہوگئی یا نہیں" عقیل نے بابر سے پوچھا۔ "کہاں یار! ایڈیٹروں کی تو ہم دونوں سے پُرانی دشمنی ہے۔" بابر منہ بنا کر بولا۔

آخر کیوں یہ ہماری تحریریں شائع نہیں کرتے؟" عقیل بولا۔

"ایسا کریں ان ایڈیٹر حضرات کو کوئی اچھا سا گِفٹ بھیجیں اور انہیں دوست بنالیں اور پھر شاید وہ دوستی کے ناتے ہماری ہر تحریر شائع کریں" بابر بولا۔

"نہیں یار! اس سے بات نہیں بنے گی وہ سمجھیں گے کہ کہانی یا کوئی اور تحریر چھپوانے کی غرض سے انہیں گفٹ دوسرے الفاظ میں رشوت دے رہے ہیں۔" عقیل نے کہا "تو' پھر ایسا کوئی طریقہ ڈھونڈو جس سے ہماری تحریریں رسالے میں چھپنے لگیں۔" عقیل نے گویا خوش ہوتے ہوئے کہا

"اور کیا ہم کتنے محنت سے تحریریں لکھتے ہیں، مگر تحریر تو کیا نام بھی نہیں چھپتا" بابر نے کہا۔ "یہ ایڈیٹر صاحب بھی اپنے جاننے والوں کی تحریریں شائع کرتے ہیں یہ دیکھو..... رسالے میں..... کی تحریریں ہر ماہ چھپتی ہیں اور ہم تو اس سے کہیں اچھا لکھتے ہیں۔ عقیل نے کہا۔ "اور ایک اور بات بھی یہ کہ اکثر تحریریں اور خطوط ان ہی کے شہروالوں کے شائع ہوتے ہیں۔"

"مایوس نہ ہو چلو ایک دو مزید تحریریں لکھ کر بھیج دیتے ہیں۔ پھر دیکھو اگلے ماہ کیا ہوتا ہے؟" عقیل بولا۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد عقیل ایک اسٹال پر کھڑا مطلوبہ رسالے کی ورق گردانی کررہا تھا "میاں دیکھتے ہی رہو گے خریدو گے نہیں رسالہ؟" دکان دار نے منہ بنایا۔ عقیل نے رسالہ خریدلیا اور گھر آکر سارا رسالہ اُلٹ پُلٹ

کر دیکھ لیا مگر اس کی تحریر شائع نہ ہوئی تھی۔ "اس ماہ پھر..... اس کی تحریر شائع ہوئی ہے میری تحریر اس سے تو کہیں اچھی تھی" عقیل بڑبڑایا۔ حالاں کہ وہ جب بھی تحریر بھیجتا تھا تو صفحے کے دونوں طرف لکھتا تھا۔ جگہ جگہ کانٹ چھانٹ کرتا تھا۔ پیراگراف دوسرے پیراگراف سے ملادیتا تھا۔ وعظ و نصیحت سے اس کی تحریریں بھری ہوتی تھیں۔ کہانیاں لکھتا تو مضمون بن جاتا تھا۔ شام کو اس کی ملاقات بابر سے ہوئی تو دونوں ایڈیٹروں کو بری طرح بُرا بھلا کہنے لگے۔ ان کے ابو دونوں کی باتیں دوسرے کمرے میں سُن رہے تھے کیوں کہ باتوں کی تیز آواز وہاں تک جارہی تھی۔ دونوں ایڈیٹر کو بڑا بھلا کہنے میں لگے ہوئے تھے کہ ابو کمرے میں آگئے دونوں سٹپٹا گئے اور خاموش ہوگئے۔ عقیل کے ڈیڈی مسکرائے اور پھر دونوں کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر دھیرے سے بولے۔

"بچو! اچھا لکھنے کے لئے ضروری ہے کہ خود اچھے بنو، دل سے کینہ، نفرت، حسد نکال دو۔ جس کے دل میں تینوں برائیاں ہوں گی وہ کبھی اچھا نہیں بن سکے گا۔" ابو بس اتنا کہہ کر چلے گئے۔ ابو کے جانے کے بعد دونوں دوست سوچ میں پڑ گئے بہت سوچنے کے بعد انہیں پتا چلا کہ اچھا نظر آنے کے لئے پہلے اچھا بننا پڑتا ہے!!

انتخاب: وسیم احمد صدیقی

○ کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ (حضرت علیؓ)

○ اچھی کتاب سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ (سلطان محمود غزنویؒ)

○ موت سے ڈرو۔ موت ہی اصل زندگی ہے۔ (ماؤزے تنگ)

○ اگر کچھ بننا چاہتے ہو تو ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو۔ (قائداعظم محمد علی جناحؒ)

○ ادب انسان کا زیور ہے۔ (ارسطو)

○ دنیا میں نیک کام کر کے مر جانا آبِ حیات پینے سے بہتر ہے۔ (نپولین بونا پارٹ)

○ عقلمند کی پہچان غصّے کے وقت ہوتی ہے۔ (سقراط)

○ خاموشی اور سوچ بڑی سے بڑی اُلجھن سُلجھا دیتی ہے۔ (سقراط)

○ اچھی بات جو بھی کہے غور سے سنو۔ (سقراط)

آلودگی کی تباہ کاریاں

سعد علی خان، کراچی

آلودگی ایک سنگین ہے۔ یہ صرف انسانوں کو ہی متاثر نہیں کرتی بلکہ آبی مخلوق اور دوسرے جانوروں پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ بحری جہازوں سے نکلنے والا خراب تیل پانی پر میلوں تک پھیل جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آبی مخلوق متاثر ہوتی ہے۔ جبکہ گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں انسانی زندگی کے لئے خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اس آلودگی ہی کی وجہ سے "اوزون" کی تہہ میں سوراخ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف گرمی بڑھتی جا رہی ہے بلکہ ایسی خطرناک بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں جس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر یہ کہ جنگلات کے درختوں کو وسیع پیمانے پر کاٹا جا رہا ہے جس سے نہ صرف انسانی زندگی کو خطرہ پہنچ رہا ہے بلکہ بہت سے جانوروں کی نسلوں کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ درخت نہ صرف ہمیں آکسیجن فراہم کرتے ہیں بلکہ ان سے بہت سے فائدے ہیں۔

ایٹم بم کی تیاری کے بعد جو فاضل مادہ بچتا ہے اسے بڑے بڑے ڈرموں میں بند کر دیا جاتا ہے اور پھر ان ڈرموں کو سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے یا پھر زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ پھر کچھ عرصے بعد یہ ڈرم لیک ہونا شروع ہو جاتے ہیں جس سے آبی مخلوق کو نقصان پہنچتا ہے اور انسانوں میں یہ خطرناک بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔

انسان یہ جانتے ہوئے بھی ایسا کیوں کر رہا ہے؟ یہ سوچنے کی بات ہے اب وقت آگیا ہے کہ اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے، درخت زیادہ سے زیادہ اگائے جائے دھوئیں والی گاڑیاں نہ بنائی جائیں، کارخانوں اور فیکٹریوں کو شہروں سے الگ تھلگ بنایا جائے اور سمندروں میں فاضل بے کار مادے نہ پھینکے جائیں تب ہی آلودگی سے بچا جا سکتا ہے۔

خدا نے سکھائی تمہیں رزم گاہی

شاعر: ساحر صدیقی — انتخاب: عمر طارق کاشمیری

جیو سرفروشو جیو جاں نثارو
جبینِ وطن کے چمکتے ستارو
ملی ہے تمہیں شہرتِ جاودانہ
شجاعت کی دنیا میں تم ہو یگانہ
جیو سنگ و آہن کے تسخیر کارو
جیو سرفروشو جیو جاں نثارو
خدا نے سکھائی تمہیں رزم گاہی
تمہی موجِ توحید کے ہو سپاہی
روایاتِ اسلام کے شہہ پارو
جیو سرفروشو جیو جاں نثارو
تمہی سے ہے بیدار اُلفت وطن میں
تمہی سے ہے آباد جنّت وطن میں
وطن کی حقیقت کے پروردگارو
جیو سرفروشو! جیو جاں نثارو

اخبار آنکھ مچولی

دلچسپ خبروں پر مشتمل قلم دوست کا نیا سلسلہ

انتخاب: عائشہ عباسی

محافظ دیمک

Redant نامی سرخ رنگ کی یہ دیمک عام دیمکوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے اور برازیل میں پائی جاتی ہے۔ عام دیمکیں درختوں اور لکڑی سے بنی چیزوں میں داخل ہو کر انہیں کھا جاتی ہیں۔ محافظ دیمک عام دیمکوں کی دشمن ہے کیوں کہ یہ عام دیمکوں کو بڑے شوق سے کھاتی ہے۔ اس کے لئے یہ درختوں اور لکڑیوں سے بنی ہوئی چیزوں پر بسیرا کرتی ہے۔ دیکھا جائے تو یہ درختوں اور لکڑی سے بنی ہوئی چیزوں کی محافظ ہے لیکن یہ خود چپکے چپکے درختوں اور لکڑی سے بنی اشیا کو چاٹتی رہتی ہے۔ جہاں محافظ دیمک ہو وہاں کے درخت اور لکڑی کا فرنیچر دیکھنے میں نہایت عمدہ اور اچھی حالت میں نظر آتا ہے لیکن آپ جیسے ہی ہاتھ لگائیں گے اشیا اور درخت لکڑی کا برادہ بن کر گر جائیں گے۔

ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی

جگنو کی طرح چمکنے والا یہ کیڑا جس کا نام "مونیا" ہے دریائے ایمزن کے کنارے واقع جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ اندھیری راتوں میں یہ درختوں کے پتوں پر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے پروں سے تیز روشنی خارج کرتا ہے۔ اُجالوں کے متلاشی کیڑے روشنی دیکھ کر اس کی طرف لپکتے ہیں جیسے ہی قریب پہنچتے ہیں یہ انہیں چٹ کر جاتا ہے۔

دن بھر یہ بھوکا رہتا ہے اور رات کے اندھیرے میں شکار کرتا ہے۔

شاطر لڑکا

ایم۔ اعجاز احمد، کراچی

شطرنج کا ننھا منا شاطر جو پڑھنے میں بھی بہت آگے ہے

پرائمو کارلوس باکرٹ ۲۲ جنوری ۱۹۸۳ء میں شمالی فرانس میں پیدا ہوا۔ ایک دن وہ اپنے نانا نانی کے ساتھ اٹلی گھومنے پھرنے کی خاطر گیا۔ اس کے چچا نے اسے بتایا کہ کس طرح شطرنج کا کھیل کھیلا جاتا ہے۔ کارلوس اس وقت صرف ساڑھے چار سال کا تھا اور اسی وقت کارلوس نے کمال خوبی سے شطرنج کے کھیل میں دلچسپی لینی شروع کر دی پھر اگلے سال اس کا دوبارہ اٹلی اپنی ماں "میری پایئر" کے ہمراہ جانا ہوا۔ اپنے چچا کی تربیت نے اسے وقت سے قبل ایک ماہر شاطر بنا دیا تھا کارلوس کا باپ اسٹیفن اپنے بیٹے کی بڑھتی ہوئی شطرنج میں دلچسپی کو بخوبی جان گیا لہٰذا واپس آنے پر اس نے کارلوس کا داخلہ "شطرنج کلب" میں کروایا جہاں ہونہار بچوں کو شطرنج کی مختلف چالیں سکھائی جاتی تھیں۔ جون ۱۹۸۹ء میں کارلوس نے پہلا شطرنج ٹیم ٹورنامنٹ جیتا اور اس بات کا اشارہ دیا کہ مستقبل قریب میں وہ ہونہار اور باصلاحیت شاطر بن سکتا ہے۔ کارلوس کے والدین سائنس اور ٹیکنالوجی کے انجینئر ہیں اور ان دونوں نے اپنے اس بچے کے لئے شطرنج کی مختلف چالیں سکھانے کے واسطے دو استاد رکھے ہیں۔ اکثر اوقات اسے اپنے سبق کے لئے بیرون ملک سفر کرنا پڑتا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ "میں گھبراتا نہیں ہوں" کارلوس جہاں شطرنج کھیل کے میدان میں آگے ہے اسی طرح تعلیم کے شعبے میں بھی اس کا نام بہترین لڑکوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ اپنے اسکول کا کام ہمیشہ مکمل رکھتا ہے اور فارغ اوقات میں اپنے مشغلے سے بھی لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ جہاں تک مشغلے کا تعلق ہے تو وہ ویڈیو گیمز کثرت سے کھیلتا ہے لیکن کبھی جب وہ اپنا ہوم ورک مکمل کر لے تو پھر سوئمنگ کرتا ہے کارلوس کو کتابیں پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ کارلوس کے متعلق اس کا کوچ کہتا ہے کہ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہے۔ اور آگے بہت ترقی کرے گا۔

مگرمچھ

لعل بخش، کراچی

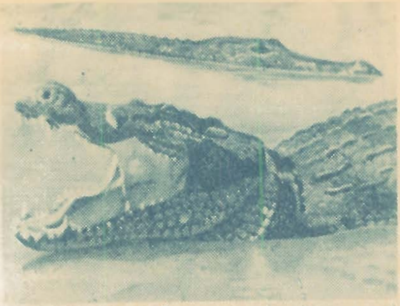

مگرمچھ کا شمار دنیا کے چند بڑے اور خطرناک ترین جانوروں میں ہوتا ہے۔ یہ شیروں اور سانپوں وغیرہ سے زیادہ خطرناک و خوفناک ہوتا ہے۔ اس کا تعلق شکاری نسل کے جانوروں سے ہے۔ مگرمچھ برِاعظم افریقہ کے جنوبی اور وسطی علاقوں کے علاوہ ایشیا کے گرم علاقوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔یہ امریکہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگرمچھ اور گھڑیال میں کئی تکنیکی امتیازات ہیں۔ مثلاً جب گھڑیال کے جبڑے بند ہوتے ہیں تو اس کے دانت نظر نہیں آتے جبکہ مگرمچھ کے جبڑے بند ہونے پر بھی دانت نظر آتے ہیں۔ گرگٹ نما چھپکلیوں کی چند اقسام کے علاوہ مگرمچھ دنیا میں وہ واحد جانور ہے جو انتہائی بلند آواز نکال سکتا ہے۔

مگرمچھ کا ہاضمہ انتہائی تیز ہوتا ہے۔ یہ خوراک کو بہت جلد ہضم کرلیتا ہے۔ عموماً اسے زیادہ غذا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ تقریباً صرف ایک پونڈ روزانہ خوراک کھاتا ہے۔ اس کے دانتوں کا نظام نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ اول تو اس کا کوئی دانت گرتا نہیں لیکن اگر کوئی دانت گر بھی جائے تو دوسرا دانت فوراً ہی اس کی جگہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ تاحیات جاری رہتا ہے۔

مگرمچھ کے پاس دو مہلک ہتھیار ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی دُم شیر کی ٹانگوں پر مار دے تو اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں۔ اس سے اس کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دوسرے اس کے جبڑے کا۔

مگرمچھ بڑے عجیب انداز میں شکار کرتا ہے۔ یہ عموماً رات کے وقت یہ اس وقت جب کہر چھپائی ہو حملہ کرتا ہے۔ یہ آہستہ آہستہ بغیر آواز پیدا کئے اپنے شکار کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر جست لگا کر اپنے شکار کو اپنے جبڑوں میں پکڑ لیتا ہے۔

مگرمچھ دنیا کے ان چند جانوروں میں شامل ہے جو جان بوجھ کر انسانوں پر حملہ کرتا ہے۔ مگرمچھ زیادہ تر انسانی بستیوں کے قریبی تالابوں اور دریاؤں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ افریقہ کے زیادہ تر لوگ دریاؤں کے قریب رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ مگرمچھوں کے حملوں سے محفوظ نہیں ہیں۔

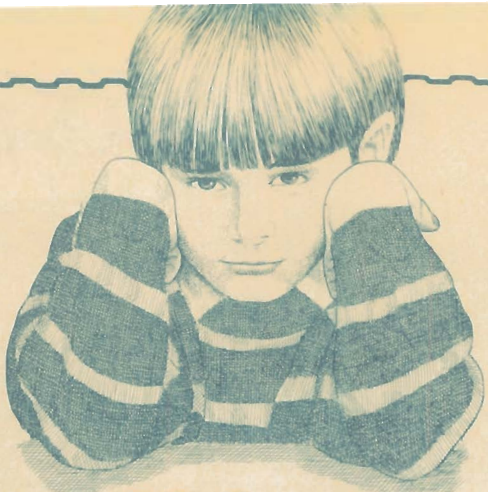

انتخاب
مولابخش
کراچی

اپنے دیس میں اپنا راج

لاکھ مصیبت، اک سلجھاؤ　　لاکھ بگاڑ اور ایک بناؤ
لاکھ دُکھوں کا ایک علاج
اپنے دیس میں اپنا راج

خود ہی بگڑنا، خود ہی سنورنا　　اپنے بل پر آپ اُبھرنا
اپنے ہاتھ میں اپنی لاج
اپنے دیس میں اپنا راج

اپنی عدالت، اپنی گواہی　　اپنی حکومت، اپنی شاہی
اپنا تخت اور اپنا راج
اپنے دیس میں اپنا راج

موت کی آواز

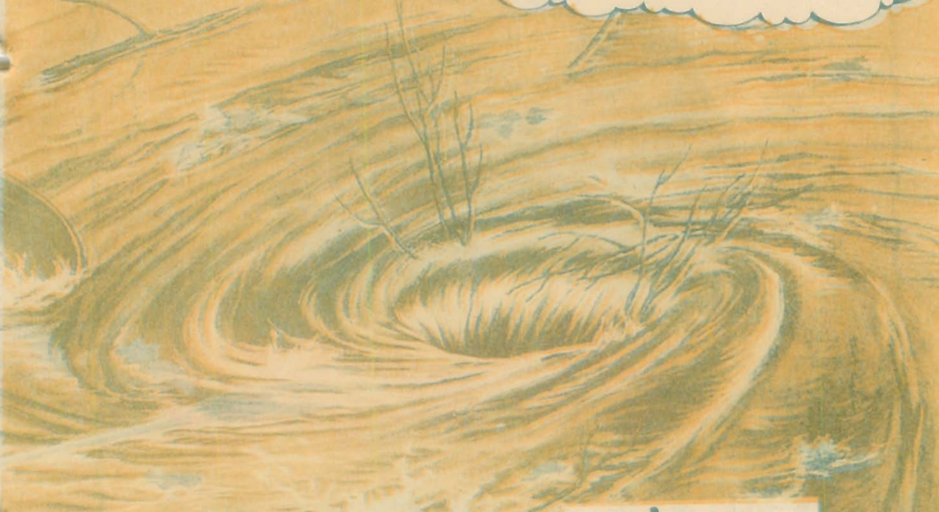

جام نذیر حسین

اس دلچسپ کہانی کو جس ادیب نے نئے سرے سے لکھا، ان کے بارے میں ہم پہلے ہی بتا چکے تھے کہ وہ کوئی خاص کہانیاں نہیں لکھتے، اس کے باوجود ساتھیوں کی کثیر تعداد نے انہیں باآسانی بوجھ لیا۔ مُصنف کا نام بوجھنے والے چھ خوش نصیب ساتھی جو بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حق دار قرار پائے درج ذیل ہیں :

۱۔ محمد سلیم جمالی (؟)

۲۔ منور حسین، اسلام آباد

۳۔ محمد امین اشرف، کراچی

۴۔ انجم عروج، رحیم یار خان

۵۔ منوج کمار بجانی، حیدر آباد

۶۔ ریاض احمد، حیدر آباد

قلم دوست کا نیا سلسلہ

جام نذیر حسین کی اس سنسنی خیز کہانی کا دوسرا حصہ چند ناگزیر وجوہ کی بنا پر پیش نہ کیا جاسکا یاد رہے کہ اس کا پہلا حصہ اگست ۹۵ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مہینے اس طویل کہانی کا دوسرا حصّہ شامل اشاعت ہے۔ بہادری، مہم جوئی، تجسّس اور وطن سے محبت اس کہانی کے بنیادی نکات ہیں۔ اُمید ہے یہ قسط وار کہانی آپ کو پسند آئے گی۔ اس کہانی سے متعلق ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

پچھلی قسط کا خلاصہ

"جن لوگوں نے مجھے اغوا کیا تھا، جرائم کی دنیا میں وہ موت کے سوداگر کے نام سے مشہور تھے۔ تشدّد کے ذریعے مجھ سے وہ راز معلوم کرنا چاہتے تھے جو میرے سینے میں محفوظ تھا، ملکی سلامتی کا اہم راز...... موت کے سوداگروں کے تشدّد کا ہر راستہ اور حربہ ناکام ہوگیا اور میں اس جزیرے سے بھاگ نکلا جہاں مجھے قید کیا گیا

تھا.....وہ کشتی بھنور کا شکار ہوگئی جو جزیرے سے میرے فرار ہونے کا سبب بنی تھی۔ میں پانی میں ہاتھ پاؤں مارتا بھنور سے تو بچ نکلا لیکن موت ایک نیلی شارک کی صورت مجھے آواز دے رہی تھی..... ایک سخت خونی جنگ کے بعد میں نے شارک کو خنجر سے ہلاک کر ڈالا لیکن مجھے ڈر تھا شارک کا ساتھی اس کا انتقام لینے میری طرف چل پڑا ہے!!"

اب آپ آگے پڑھئے

"میں ساحل پہنچا تو بے دم ہو کر ساحلی ریت پر گر گیا اور کافی دیر تک بے سدھ پڑا رہا۔ طویل تیراکی پھر شارک کے ساتھ ہونے والی خونی جنگ اور شارک کے ساتھی کے انجانے خوف نے جسم کو مسلسل تیراکی پر مجبور کر کے اعصاب شل کر دیئے تھے۔

سورج کی شعاعیں میرے جسم کو جیسے کاٹ رہی تھیں۔ پھر اک دم سے یوں لگا جیسے میرے جسم میں مرچیں بھر گئی ہوں۔ خصوصاً "کندھوں' پشت اور ہاتھوں میں بے حد جلن ہو رہی تھی۔ اب میں نے اپنے جسم کا بغور جائزہ لیا تو تکلیف کی وجہ سے سمجھ میں آگئی۔ میری کھال جگہ جگہ سے چھل گئی اور زخموں سے خون رس رہا تھا.....عام مچھلیوں کی طرح چوں کہ شارکوں کی جلد پر چھلکا نہیں ہوتا بلکہ "دانت" سے بنے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حملوں کے دوران میرا جسم جس جس جگہ سے شارک کے جسم سے مس ہوا تھا وہاں وہاں سے کھال کٹ گئی تھی۔ یہ شارک جو میرے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچی تھی' چند گھاؤ اپنی یاد کے جسم پر چھوڑ گئی تھی......میں زخموں کی تکلیف بھول کر آگے پیچھے ڈولتا ہوا کھڑا ہو گیا......... اب میرے سامنے ہرا بھرا منظر تھا۔ بے شمار درخت اور جھاڑیاں ہوا سے جھومتے جھامتے اپنی بہار دکھلا رہے تھے۔ یہ پانی میں گھرا کوئی جزیرہ تھا جہاں ناریل کے درخت بکثرت نظر آ رہے تھے۔ میں زخموں کی تکلیف کے باوجود آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔"

نامکمل ڈائری کا اگلا صفحہ پھٹا ہوا تھا۔ البتہ اور صفحات طلحٰہ کو اس جگہ کے پاس سے مزید دستیاب ہوئے جہاں سے یہ ڈائری ملی تھی۔ وہ صفحات مڑے تڑے تھے اور بری حالت میں تھے۔ طلحٰہ نے انہیں درست کیا اور جلدی جلدی پڑھنے لگا۔

۸ دسمبر ۱۹۹۰ء

آج آٹھ تاریخ کو مجھے اس گمنام جزیرے پر پورا ایک سال ہو جائے گا۔ میں کتنا بدقسمت ہوں کہ اس جزیرے سے باہر نہیں نکل سکتا اور اپنی دنیا میں نہیں پہنچ سکتا۔ پتہ نہیں جزیرہ غیر آباد

کیوں ہے؟ یہاں صرف میں ہوں یا ناریل کے درخت اور ان پر اُچھل کود کرنے والے بندر۔ ان بندروں سے ہی میری دوستی ہے۔ بندر میرے اس جزیرے پر آنے سے بے حد خوش ہیں لیکن میں بہت اُداس ہوں میرے اندر کا دُکھ بڑھ گیا ہے۔ تکلیف یہ نہیں کہ میں اکیلا ہوں تکلیف اس بات کی ہے کہ وہ فارمولا جو وطن کے عظیم سائنس دان ڈاکٹر زبیر تک پہنچانا تھا وہ ان تک نہیں پہنچ سکا ہے۔ جس سائنس دان کا ایجاد کردہ یہ فارمولا ہے، اسے قتل کردیا گیا ہے کیوں کہ اس نے دشمنوں کو بتانے سے صاف انکار کردیا تھا۔ یہ سائنس دان ڈاکٹر زبیر کے بہت ہی عزیز دوست تھے اور مرنے سے ایک دن پہلے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو خفیہ پیغام بھیجا تھا کہ : "کالا گلاب کِھل گیا ہے کسی آدمی کو بھیج کر منگوالیجئے۔" ڈاکٹر صاحب نے اس فارمولے کو لانے کے لئے میرا انتخاب کیا تھا۔ میں اس سے پہلے کبھی ملک سے باہر نہیں گیا تھا۔ میری ذمّہ داری ملک کے اندر ہی سب سے بڑی سائنسی لیبارٹری میں تھی جہاں کچھ دن پہلے ہی کمانڈو کی مکمل تربیت حاصل کرنے کے بعد مجھے بھیجا گیا تھا۔ ڈاکٹر زبیر میری فرض شناسی اور چابک دستی سے بے حد متاثر تھے۔ میری آمد کی اطلاع انہیں اس وقت ملی جب میں فارمولے کا راز اپنے ذہن میں محفوظ کر کے طیارے میں واپسی کا راستہ اختیار کرچکا تھا۔ ڈاکٹر ابو حماد ہلاک کردیئے گئے اور اس جہاز کو اس وقت ہائی جیک کرلیا گیا جب وہ میرے وطن کے ہوائی اڈے پر پہنچ چکا تھا۔ اس سلسلے میں کرائے کے قاتلوں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

مجھے اغوا کر کے ایک نامعلوم جزیرے پر لے جایا گیا......؟؟"

مُڑے تڑُے صفحات کا اگلہ صفحہ پھر غائب تھا لیکن واقعات ڈائری میں موجود صفحات سے سلسلہ ملا رہے تھے، جنہیں طلحہٰ کچھ دیر پہلے پڑھ چکا تھا۔

جس جگہ سے یہ ڈائری ملی تھی، طلحہٰ گھوم پھر کر وہاں کا جائزہ لینے لگا۔ اسے ڈائری کے مزید صفحات کی تلاش تھی۔ یہ نامکمل ڈائری نہایت بوسیدہ حالت میں اسے ملی تھی اور موسمی اثرات نے روشنائی کو جگہ جگہ سے مدھم کردیا تھا تاہم تحریر باآسانی پڑھی جاسکتی تھی۔ بقیہ صفحات طلحہٰ کو نہیں مل سکے۔ اب وہ نظریں گھُما کر اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے لگا۔ جو اسے چھوڑ کر آگے نکل گئے تھے۔ طلحہٰ نے کئی بار اپنے ساتھیوں کو آوازیں بھی دیں لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب نہ مل سکا۔ (جاری ہے)

قلم دوست کی اس دلچسپ کہانی کے مزید سنسنی خیز واقعات آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں!!

آخری بات

جو لوگ اچھے کام کو اچھا نہیں کہتے ان کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اچھے کام کو پسند نہیں کرتے ۔ انہیں ان کی خامیوں سے آگاہ کیا جائے تو وہ چراغ پا ہو جاتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کو اس بات کا زعم ہوتا ہے کہ وہ بہت اعلیٰ ہیں ۔ باقی لوگوں کو وہ بہت حقیر سمجھتے ہیں ۔ البتہ انہیں اپنی تعریف اچھی لگتی ہے ۔ چاپلوس قسم کے لوگ ان کی اور ان کے ان کاموں کی تعریف بھی کر دیتے ہیں جن کے وہ مستحق نہیں ہوتے ۔ اس طرح وہ خوشامد پسند ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی خوشامد کی جائے ۔ چاپلوس لوگ خوشامد پسندوں کے گرد جمگھٹا لگا لیتے ہیں اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اپنا کام نکلواتے ہیں ۔ اس قسم کے لوگ درحقیقت خسارے کا سودا کر رہے ہیں ۔

..... اللہ تعالیٰ نے اسی لئے سورہ عصر میں زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور جو حق پر ثابت قدم رہے صبر کے ساتھ ۔

نیا سال آپ کو پیغام دے رہا ہے کہ نیک اعمال کریں، حق پر ثابت قدمی سے جمے رہیں ۔ مشکل حالات میں صبر کریں اور چاپلوسی اور خوشامد پسندی سے بچیں جو بُری عادتیں ہیں ۔

باسہولت
پلاسٹک نوزل
کے ساتھ
معیار کی
ضمانت
احمد
پکانے کا تیل
©
احمد
اِمپورٹیڈ پکانے کا تیل
دنیا کے جدید ترین پلانٹ پر
الٹرا ریفائنڈ (Ultra-refined) کیا ہوا۔
احمد فوڈ اِنڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ڈی-112 سائٹ، کراچی 75700 فون: 49-296045 فیکس: 295470 ٹیلیکس: 2465 AHMED PK

REGD No M-266
JANUARY 1996
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI

Interflow